اس شمارے میں

حرف اوّل

حدود اللہ اور حدود آرڈیننس — حافظ عاطف وحید — 2

مطالعہ قرآن حکیم

سورۃ البقرۃ (آیات ۴۰ تا ۵۹) — ڈاکٹر اسرار احمد — 3

فہم القرآن

ترجمۂ قرآن مجید، مع صرفی ونحوی تشریح — لطف الرحمٰن خان — 23

حکمتِ نبویؐ

رسول اللہ ﷺ کی روحانی قوت — پروفیسر محمد یونس جنجوعہ — 33

فکر و نظر

فہم قرآن: شاہ ولی اللہؒ کی نظر میں — حافظ محبوب احمد خان — 37

توضیح و تنقیح

چہرے کا پردہ۔ واجب، مستحب یا بدعت؟ (۷) — حافظ محمد زبیر — 42

تعارف و تبصرہ — پروفیسر محمد یونس جنجوعہ — 59

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا

(البقرہ: ۲۶۹)

دار المطالعہ قرآن اکیڈمی
نمبر 5/6/06
۳۶ ماڈل ٹاؤن لاہور

ماہنامہ

حکمتِ قرآن

لاہور

بیادگار: ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم

مدیر اعزازی: ڈاکٹر ابصار احمد

مدیر منتظم: حافظ عاکف سعید

نائب مدیر: حافظ خالد محمود خضر

ادارہ تحریر

حافظ عاطف وحید

پروفیسر حافظ نذیر احمد ہاشمی ۔ پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

جلد ۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ ۔ جون ۲۰۰۶ء شمارہ ۶

یکے از مطبوعات

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

36 کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۔ فون 3-5869501

publications@tanzeem.org

ویب سائٹ: www.tanzeem.org

سالانہ زرِ تعاون: 100 روپے ' فی شمارہ: 10 روپے

ایشیا، یورپ، افریقہ وغیرہ: 700 روپے امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ: 900 روپے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حدود اللہ اور حدود آرڈیننس

سورۃ البقرۃ اور سورۃ الطلاق میں خانگی زندگی کے معاملات کے ضمن میں ہدایات دیتے ہوئے ربِّ کائنات نے 'حدود اللہ' کے بارے میں متنبہ فرمایا ہے۔ سورۃ البقرۃ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٢٢٩﴾ ﴾

''یہ ہیں اللہ کی حدیں۔ خبردار' ان سے آگے نہ بڑھنا! اور جو لوگ اللہ کی حدوں سے تجاوز کر جائیں وہی ظالم ہیں۔''

اور سورۃ الطلاق میں فرمایا:

﴿ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۭ ﴾ (آیت ۱)

''اور یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں۔ اور جو شخص اللہ کی حدوں سے آگے بڑھ جائے اس نے یقیناً اپنا ہی برا کیا۔''

حدود اللہ اُن اوامر و نواہی کو کہا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسانی معاشرے کے سدھار کے لیے ابدی ہدایات اور قواعد و ضوابط کی صورت میں نازل فرمائے ہیں۔ اسلامی معاشرے میں حدود اللہ کے قیام کی اہمیت کسی بیان کی محتاج نہیں۔ یہ حدود اللہ ہی ہیں جو کسی معاشرے میں اسلام کی عادلانہ تعلیمات کے عملی ظہور کی ضامن ہیں۔ گویا حدود اللہ کے نفاذ بغیر کسی بھی ہیئت اجتماعی کو 'اسلامی' قرار دینا ممکن نہیں!

ملکِ عزیز میں ۱۹۷۹ء میں حدود اللہ کی بنیاد پر پانچ مختلف قسم کے معاشرتی جرائم کے سدباب کے لیے ایک آرڈیننس تشکیل دیا گیا جسے حدود آرڈیننس کہا جاتا ہے۔ جرم کی تعریف' وقوعہ کا ثبوت' ثبوت کے ضمن میں شہادتیں اور جرم کی نسبت سے سزا کی تجویز اور پھر اس پر عمل درآمد کا طریقہ —— ان تمام تفصیلات و جزئیات پر مشتمل یہ آرڈیننس ماہرینِ قانون اور جید علماء کی مشترکہ کاوش ہے۔ اس آرڈیننس کو بنانے کا محرک جو بھی ہو' اس بات میں کلام نہیں ہے کہ انسانی کاوش ہونے کی بنا پر اس میں کسی خامی کا باقی رہ جانا عین قرینِ قیاس ہے۔ اسی طرح یہ بات بھی کسی دلیل کی محتاج نہیں ہے کہ قرآن و سنت میں بیان کردہ ''حدود'' کو اس آرڈیننس کی اساس تو کہا جا سکتا ہے' آرڈیننس کو عین حدود اللہ نہیں کہا جا سکتا۔ اس لیے کہ ظاہر ہے حدود اللہ اور حدود آرڈیننس دو مختلف چیزیں ہیں —— حدود اللہ غیر مبدّل ہیں جبکہ حدود آرڈیننس میں ترامیم تجویز کی جا سکتی ہیں۔ (باقی صفحہ 64 پر)

دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سُورۃُ البقرۃ

آیات ۴۰ تا ۴۶

﴿یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ وَاَوْفُوْا بِعَھْدِیْٓ اُوْفِ بِعَھْدِکُمْ ۚ وَاِیَّایَ فَارْھَبُوْنِ ﴿۴۰﴾ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَکُمْ وَلَا تَکُوْنُوْٓا اَوَّلَ کَافِرٍ بِہٖ ۠ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا ۠ وَّاِیَّایَ فَاتَّقُوْنِ ﴿۴۱﴾ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَکْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ ﴿۴۳﴾ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَکُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْکِتٰبَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ ۭ وَاِنَّھَا لَکَبِیْرَۃٌ اِلَّا عَلَی الْخٰشِعِیْنَ ﴿۴۵﴾ الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّھُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّھِمْ وَاَنَّھُمْ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ﴿۴۶﴾﴾

اب یہاں سے بنی اسرائیل سے خطاب شروع ہو رہا ہے۔ یہ خطاب پانچویں رکوع سے دسویں رکوع تک مسلسل دس رکوعات پر محیط ہے۔ البتہ ان میں ایک تقسیم ہے۔ پہلا رکوع دعوت پر مشتمل ہے' اور جب کسی گروہ کو دعوت دی جاتی ہے تو تشویق و ترغیب' دلجوئی اور نرمی کا انداز اختیار کیا جاتا ہے' جو دعوت کے اجزاءِ لاینفک ہیں۔ اس انداز کے بغیر دعوت مؤثر نہیں ہوتی۔ یوں سمجھ لیجیے کہ یہ سات آیات (پانچواں رکوع) ان دس رکوعوں کے لیے بمنزلہ فاتحہ ہیں۔ بنی اسرائیل کی حیثیت سابقہ اُمتِ مسلمہ کی تھی' جن کو یہاں دعوت دی جا رہی ہے۔ وہ بھی مسلمان ہی تھے' لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کا انکار کر کے کافر ہو گئے۔ ورنہ وہ حضرت موسیٰ

علیہ السلام کے ماننے والے تھے' شریعت اُن کے پاس تھی' بڑے بڑے علماء اُن میں تھے' علم کا چرچا اُن میں تھا۔ غرضیکہ سب کچھ تھا۔ یہاں ان کو دعوت دی جا رہی ہے۔ اس سے ہمیں یہ رہنمائی ملتی ہے کہ آج مسلمانوں میں' جو اپنی حقیقت کو بھول گئے ہیں' اپنے فرضِ منصبی سے غافل ہو گئے ہیں اور دنیا کی دیگر قوموں کی طرح ایک قوم بن کر رہ گئے ہیں' اگر کوئی ایک داعی گروہ کھڑا ہو تو ظاہر بات ہے سب سے پہلے اُسے اسی اُمت کو دعوت دینی ہوگی۔ اس لیے کہ دنیا تو اسلام کو اِسی اُمت کے حوالے سے پہچانے گی (Physician heals thyself)۔ پہلے یہ خود ٹھیک ہو اور صحیح اسلام کا نمونہ پیش کرے تو دنیا کو دعوت دے سکے گی کہ آؤ دیکھو یہ ہے اسلام! چنانچہ ان کو دعوت دینے کا جو اسلوب ہونا چاہیے وہ اس اسلوب کا عکس ہوگا جو اِن سات آیات میں ہمارے سامنے آئے گا۔

آیت ۴۰ ﴿یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ﴾ ''اے بنی اسرائیل! یاد کرو میرے اُس انعام کو جو میں نے تم پر کیا''

''بنی اسرائیل'' کی ترکیب کو سمجھ لیجیے کہ یہ مرکب اضافی ہے۔ ''اسر'' کا معنی ہے بندہ یا غلام۔ اسی سے ''اسیر'' بنا ہے جو کسی کا قیدی ہوتا ہے۔ اور لفظ ''ئیل'' عبرانی میں اللہ کے لیے آتا ہے۔ چنانچہ اسرائیل کا ترجمہ ہوگا ''عبداللہ'' یعنی اللہ کا غلام' اللہ کی اطاعت کے قلادے کے اندر بندھا ہوا۔ ''اسرائیل'' لقب ہے حضرت یعقوب علیہ السلام کا۔ ان کے بارہ بیٹے تھے اور ان سے جو نسل چلی وہ بنی اسرائیل ہے۔ ان ہی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت ہوئی اور انہیں تورات دی گئی۔ پھر یہ ایک بہت بڑی اُمت بنے۔ قرآن مجید کے نزول کے وقت تک ان پر عروج و زوال کے چار ادوار آ چکے تھے۔ دو مرتبہ ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کی بارشیں ہوئیں اور انہیں عروج نصیب ہوا' جبکہ دو مرتبہ دنیا پرستی' شہوت پرستی اور اللہ کے احکام کو پسِ پشت ڈال دینے کی سزا میں ان پر اللہ کے عذاب کے کوڑے برسے۔ اس کا ذکر سورۂ بنی اسرائیل کے پہلے رکوع میں آئے گا۔ اُس وقت جبکہ قرآن نازل ہو رہا تھا وہ اپنے اس زوال کے دور میں تھے۔ حال یہ تھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے ہی ان کا ''معبدِ ثانی'' (Second Temple) بھی منہدم کیا جا چکا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو ہیکل سلیمانی بنایا تھا' جس کو یہ ''معبد اوّل'' (First Temple) کہتے ہیں' اسے بخت نصر (Nebukadnezar) نے حضرت مسیح سے بھی چھ سو سال پہلے گرا دیا تھا۔ اسے انہوں نے

دوبارہ تعمیر کیا تھا جو ''معبدِ ثانی'' کہلاتا تھا۔ لیکن ۷۰ عیسوی میں محمد عربی ﷺ کی ولادت سے پانچ سو سال پہلے رومیوں نے حملہ کر کے یروشلم کو تباہ و برباد کر دیا' یہودیوں کا قتلِ عام کیا اور جو ''معبدِ ثانی'' انہوں نے تعمیر کیا تھا اُسے بھی مسمار کر دیا' جو اب تک گرا پڑا ہے' صرف ایک دیوار گریہ (Veiling Wall) باقی ہے جس کے پاس جا کر یہودی ماتم اور گریہ وزاری کر لیتے ہیں' اور اب وہ اسے سہ بارہ بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔ چنانچہ ان کے ''معبدِ ثالث'' (Third Temple) کے نقشے بن چکے ہیں' اس کا بلیو پرنٹ تیار ہو چکا ہے۔ بہرحال جس وقت قرآن نازل ہو رہا تھا اُس وقت یہ بہت ہی پستی میں تھے۔ اس وقت ان سے فرمایا گیا:

''اے بنی اسرائیل! ذرا یاد کرو میرے اس انعام کو جو میں نے تم پر کیا تھا۔'' وہ انعام کیا ہے؟ میں نے تم کو اپنی کتاب دی' نبوت سے سرفراز فرمایا' اپنی شریعت تمہیں عطا فرمائی۔ تمہارے اندر داؤد اور سلیمان علیہما السلام جیسے بادشاہ اٹھائے' جو بادشاہ بھی تھے' نبی بھی تھے۔

﴿وَاَوْفُوْا بِعَهْدِیْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ﴾ ''اور تم میرے وعدے کو پورا کرو تا کہ میں بھی تمہارے وعدے کو پورا کروں۔''

بنی اسرائیل سے نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ پر ایمان لانے کا عہد لیا گیا تھا۔ تورات میں کتابِ استثناء یا سفرِ استثناء (Deuteronomy) کے اٹھارہویں باب کی آیات ۱۸۔۱۹ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خطاب کر کے یہ الفاظ فرمائے:

''میں اُن کے لیے اُن ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے مُنہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اُسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا۔ اور جو کوئی میری اُن باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کر کہے گا نہ سنے تو میں اُن کا حساب اُس سے لوں گا۔''

یہ گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اُمت کو بتایا جا رہا تھا کہ نبی آخر الزماں (ﷺ) آئیں گے اور تمہیں ان کی نبوت کو تسلیم کرنا ہے۔ قرآن مجید میں اس کا تفصیلی ذکر سورۃ الاعراف میں آئے گا۔ یہاں فرمایا کہ تم میرا عہد پورا کرو' میرے اس نبیؐ کو تسلیم کرو' اُسؐ پر ایمان لاؤ' اس کی صدا پر لبیک کہو تو میرے انعام و اکرام مزید بڑھتے چلے جائیں گے۔

﴿وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ﴾ ''اور صرف مجھ ہی سے ڈرو۔''

آیت ۴۱ ﴿وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ﴾ ''اور ایمان لاؤ اُس کتاب

پر جو میں نے نازل کی ہے جو تصدیق کرتے ہوئے آئی ہے اُس کتاب کی جو تمہارے پاس ہے''

ان الفاظ کے دو معنی ہیں۔ ایک تو یہ کہ ایمان لاؤ اس قرآن پر جو تصدیق کرتا ہے تورات کی اور انجیل کی۔ از روئے الفاظِ قرآنی: ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ﴾ (المائدۃ:٤٤) ''ہم نے نازل کی تورات جس میں ہدایت اور روشنی تھی۔'' ﴿وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ﴾ (المائدۃ:٤٦) ''اور ہم نے اُس (عیسیٰ علیہ السلام) کو دی انجیل جس میں ہدایت اور روشنی تھی۔'' اور دوسرے یہ کہ قرآن اور محمد رسول اللہ ﷺ اُن پیشین گوئیوں کے مصداق بن کر آئے ہیں جو تورات میں تھیں۔ ورنہ وہ پیشین گوئیاں جھوٹی ثابت ہوتیں۔

﴿وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۠﴾ ''اور تم ہی سب سے پہلے اس کا کفر کرنے والے نہ بن جاؤ۔''

یعنی قرآن کی دیدہ و دانستہ تکذیب کرنے والوں میں اوّل مت ہو۔ تمہیں تو سب کچھ معلوم ہے۔ تم جانتے ہو کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور یہ کتاب اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ تم تو آخری نبی ﷺ کے انتظار میں تھے اور اُن کے حوالے سے دعائیں کیا کرتے تھے کہ اے اللہ! اس نبی آخر الزماں ﷺ کے واسطے سے ہماری مدد فرما اور کافروں کے مقابلے میں ہمیں فتح عطا فرما۔ (یہ مضمون آگے چل کر اسی سورۃ البقرۃ ہی میں آئے گا۔) لیکن اب تم ہی اس کے اوّلین منکر ہو گئے ہو اور تم ہی اس کے سب سے بڑھ کر دشمن ہو گئے ہو۔

﴿وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ ''اور میری آیات کے عوض حقیر سی قیمت قبول نہ کرو۔''

یہ آیاتِ الٰہیہ ہیں اور تم ان کو صرف اس لیے ردّ کر رہے ہو کہ کہیں تمہاری حیثیت' تمہاری مسندوں اور تمہاری چودھراہٹوں پر کوئی آنچ نہ آ جائے۔ یہ تو حقیر سی چیزیں ہیں۔ یہ صرف اس دنیا کا سامان ہیں' اس کے سوا کچھ نہیں۔

﴿وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ۝﴾ ''اور صرف میرا تقویٰ اختیار کرو۔'' مجھ ہی سے بچتے رہو!

آیت ۴۲ ﴿وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝﴾

''اور نہ گڈمڈ کرو حق کے ساتھ باطل کو اور نہ چھپاؤ حق کو درانحالیکہ تم جانتے ہو۔''

یہ بات اچھی طرح نوٹ کر لیجیے کہ مغالطے میں غلط راہ پر پڑ جانا ضلالت اور گمراہی ہے'

لیکن جانتے بوجھتے حق کو پہچان کر اُسے ردّ کرنا اور باطل کی روش اختیار کرنا اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینا ہے۔ اسی سورۃ البقرۃ میں آگے چل کر آئے گا کہ علماءِ یہود محمد رسول اللہ ﷺ کو اور قرآن کو اس طرح پہچانتے تھے جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے تھے۔ ﴿یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ﴾ (آیت ۱۴۶) لیکن اس کے باوجود انہوں نے محض اپنی دُنیوی مصلحتوں کے پیشِ نظر آپ ﷺ اور قرآن کی تکذیب کی۔

آیت ۴۳ ﴿وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ﴾ ''اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو'' ﴿وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِیْنَ ۝﴾ ''اور جھکو (نماز میں) جھکنے والوں کے ساتھ۔''

یعنی باجماعت نماز ادا کیا کرو۔

اوّل تو یہود نے رکوع کو اپنے ہاں سے خارج کر دیا تھا' ثانیاً باجماعت نماز ان کے ہاں ختم ہوگئی تھی۔ چنانچہ انہیں رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ گویا صراحت کی جا رہی ہے کہ نبی آخر الزماں ﷺ پر صرف ایمان لانا ہی نجات کے لیے کافی نہیں' بلکہ تمام اصول میں آپؐ کی پیروی ضروری ہے۔ نماز بھی آپؐ کے طریقے پر پڑھو جس میں رکوع بھی ہو اور جو باجماعت ہو۔

آیت ۴۴ ﴿اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ﴾ ''کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور خود اپنے آپ کو بھول جاتے ہو؟''

ان آیات کے اصل مخاطب علماء یہود ہیں' جو لوگوں کو تقویٰ اور پارسائی کی تعلیم دیتے تھے لیکن ان کا اپنا کردار اس کے برعکس تھا۔ ہمارے ہاں بھی علماء اور واعظین کا حال اکثر و بیشتر یہی ہے کہ اونچے سے اونچا وعظ کہیں گے' اعلیٰ سے اعلیٰ بات کہیں گے' لیکن ان کے اپنے کردار کو اُس بات سے کوئی مناسبت ہی نہیں ہوتی جس کی وہ لوگوں کو دعوت دے رہے ہوتے ہیں۔ یہی درحقیقت علماءِ یہود کا کردار بن چکا تھا۔ چنانچہ ان سے کہا گیا کہ ''کیا تم لوگوں کو نیکی کا راستہ اختیار کرنے کے لیے کہتے ہو مگر خود اپنے آپ کو بھول جاتے ہو؟''

﴿وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ﴾ ''حالانکہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو۔''

تم یہ کچھ کر رہے ہو اس حال میں کہ تم اللہ کی کتاب بھی پڑھتے ہو۔ یعنی تورات پڑھتے ہو' تم صاحبِ تورات ہو۔ ہمارے ہاں بھی بہت سے علماء کا' جنہیں ہم علماءِ سوء کہتے ہیں' یہی حال ہو چکا ہے۔ بقول اقبال:

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق!

قرآن حکیم کے ترجمے میں' اس کے مفہوم میں' اس کی تفسیر میں بڑی بڑی تحریفیں موجود ہیں۔ الحمدللہ کہ اس کا متن بچا ہوا ہے۔ اس لیے کہ اس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لے رکھا ہے۔

﴿اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴾ ''کیا تم عقل سے بالکل ہی کام نہیں لیتے؟''

آیت ۴۵ ﴿وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ﴾ ''اور مدد حاصل کرو صبر سے اور نماز سے۔''

یہاں پر صبر کا لفظ بہت بامعنی ہے۔ علماءِ سوء کیوں وجود میں آتے ہیں؟ جب وہ صبر اور قناعت کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیتے ہیں تو حبِ مال ان کے دل میں گھر کر لیتی ہے اور وہ دنیا کے کُتے بن جاتے ہیں۔ پھر وہ دین کو بدنام کرنے والے ہوتے ہیں۔ بظاہر دینی مراسم کے پابند نظر آتے ہیں لیکن دراصل ان کے پردے میں دنیاداری کا معاملہ ہوتا ہے۔ چنانچہ انہیں صبر کی تاکید کی جارہی ہے۔ سورۃ المائدۃ میں یہود کے علماء و مشائخ پر بایں الفاظ تنقید کی گئی ہے: ﴿لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ﴾ (المائدۃ:۶۳) ''کیوں نہیں روکتے انہیں ان کے علماء اور صوفیاء جھوٹ بولنے سے اور حرام کھانے سے؟'' اگر کوئی عالم یا پیر اپنے ارادت مندوں کو ان چیزوں سے روکے گا تو پھر اس کو نذرانے تو نہیں ملیں گے' اس کی خدمتیں تو نہیں ہوں گی۔ چنانچہ اگر تو دنیا میں صبر اختیار کرنا ہے' تب تو آپ حق بات کہہ سکتے ہیں' اور اگر دُنیوی خواہشات (ambitions) مقدم ہیں تو پھر آپ کو کہیں نہ کہیں سمجھوتا (compromise) کرنا پڑے گا۔

صبر کے ساتھ جس دوسری شے کی تاکید کی گئی وہ نماز ہے۔ علماء یہود وضوحِ حق کے باوجود جو محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہ لاتے تھے اس کی بڑی وجہ حبِ مال اور حبِ جاہ تھی۔ یہاں دونوں کا علاج بتا دیا گیا کہ حبِ مال کا مداوا صبر سے ہوگا' جبکہ نماز سے عبودیت و تذلل پیدا ہوگا اور حبِ جاہ کا خاتمہ ہوگا۔

﴿وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ﴾ ''اور یقیناً یہ بہت بھاری شے ہے''

عام طور پر یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ اِنَّھَا کی ضمیر صرف صلوٰۃ کے لیے ہے۔ یعنی نماز بہت بھاری اور مشکل کام ہے۔ لیکن ایک رائے یہ ہے کہ یہ درحقیقت اس پورے طرزِ عمل کی

طرف اشارہ ہے کہ دنیا کے شدائد اور ابتلاءات کا مقابلہ صبر اور نماز کی مدد سے کیا جائے۔ مطلوب طرزِ عمل یہ ہے کہ دنیا اور دنیا کے متعلقات میں کم سے کم پر قانع ہو جاؤ اور حق کا بول بالا کرنے کے لیے میدان میں آ جاؤ۔ اس کے ساتھ ساتھ نماز کو اپنے معمولاتِ حیات کا محور بناؤ' جو کہ عماد الدّین ہے۔ فرمایا کہ یہ روش یقیناً بہت بھاری ہے' اور نماز بھی بہت بھاری ہے۔

﴿اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ۝﴾ ''مگر اُن عاجزوں پر (بھاری نہیں ہے)۔''

اُن خشوع رکھنے والوں پر' اُن ڈرنے والوں پر یہ روش بھاری نہیں ہے جن کے دل اللہ کے آگے جھک گئے ہیں۔

آیت ۴۶ ﴿الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ﴾ ''جنہیں یہ یقین ہے کہ وہ اپنے ربّ سے ملاقات کرنے والے ہیں''

میں نے شروع میں ﴿وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝﴾ کے ذیل میں توجہ دلائی تھی کہ یہ ایمان بالآخرت ہی ہے جو انسان کو عمل کے میدان میں سیدھا رکھتا ہے۔

﴿وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝﴾ ''اور (جنہیں یہ یقین ہے کہ) بالآخر انہیں اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔'' انہیں اس کے روبرو حاضر ہونا ہے۔

آیات ۴۷ تا ۵۹

﴿يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝ وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝ وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝ وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰی بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ؕ فَتَابَ عَلَیْكُمْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ﴿۵۴﴾ وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰی نَرَی اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۵﴾ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۶﴾ وَظَلَّلْنَا عَلَیْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَیْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰی ؕ كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْیَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَیْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰیٰكُمْ ؕ وَسَنَزِیْدُ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۵۸﴾ فَبَدَّلَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَیْرَ الَّذِیْ قِیْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ﴿۵۹﴾

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے' سورۃ البقرۃ کے پانچویں رکوع سے چودھویں رکوع تک' بلکہ پندرھویں رکوع کی پہلی دو آیات بھی شامل کر لیجیے' یہ دس رکوعوں سے دو آیات زائد ہیں کہ جن میں خطاب کُل کا کُل بنی اسرائیل سے ہے۔ البتہ ان میں سے پہلا رکوع دعوت پر مشتمل ہے' جس میں انہیں نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے کی پُرزور دعوت دی گئی ہے' جبکہ بقیہ ۹ رکوع اُس فردِ قرارداد جرم پر مشتمل ہیں جو بنی اسرائیل پر عائد کی جا رہی ہے کہ ہم نے تمہارے ساتھ یہ احسان و اکرام کیا' تم پر یہ فضل کیا' تم پر یہ کرم کیا' تمہیں یہ حیثیت دی' تمہیں یہ مقام دیا اور تم نے اس اس طور سے اپنے اس مشن کی خلاف ورزی کی جو تمہارے سپرد کیا گیا تھا اور اپنے مقام و مرتبہ کو چھوڑ کر دنیا پرستی کی روش اختیار کی۔ ان نو رکوعوں میں بنی اسرائیل کی تاریخ کا تو ایک بہت بڑا حصہ اُس کے خدوخال (features) سمیت آ گیا ہے لیکن اصل میں یہ اُمت مسلمہ کے لیے بھی ایک پیشگی تنبیہ ہے کہ کوئی مسلمان اُمت جب بگڑتی ہے تو اُس میں یہ اور یہ خرابیاں آ جاتی ہیں۔ چنانچہ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کی احادیث بھی موجود ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَيَاْتِيَنَّ عَلٰى اُمَّتِيْ مَا اَتٰى عَلٰى بَنِيْ اِسْرَآءِ يْلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ)) (۱)

''میری اُمت پر بھی وہ سب حالات وارد ہو کر رہیں گے جو بنی اسرائیل پر آئے تھے' بالکل ایسے جیسے ایک جوتی دوسری جوتی سے مشابہ ہوتی ہے''۔

ایک دوسری حدیث میں جو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل ہوا ہے:

((لَتَتَّبِعُنَّ سَنَنَ مَنْ قَبْلَكُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ حَتّٰى لَوْ سَلَكُوْا جُحْرَ ضَبٍّ لَسَلَكْتُمُوْهُ)) قُلْنَا : يَارَسُوْلَ اللّٰهِ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى؟ قَالَ : ((فَمَنْ؟)) (۲)

''تم لازماً اپنے سے پہلوں کے طور طریقوں کی پیروی کرو گے' بالشت کے مقابلے میں بالشت اور ہاتھ کے مقابلے میں ہاتھ۔ یہاں تک کہ اگر وہ گوہ کے بل میں گھسے ہوں گے تو تم بھی گھس کر رہو گے''۔ ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسولؐ! یہود و نصاریٰ کی؟ آپؐ نے فرمایا: ''تو اور کس کی؟''

ترمذی کی مذکورہ بالا حدیث میں تو یہاں تک الفاظ آتے ہیں کہ: ((حَتّٰى اِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَّنْ اَتٰى اُمَّهٗ عَلَانِيَةً لَكَانَ فِيْ اُمَّتِيْ مَنْ يَصْنَعُ ذٰلِكَ)) یعنی اگر اُن میں کوئی بد بخت ایسا اٹھا ہوگا جس نے اپنی ماں سے علی الاعلان زنا کیا تھا تو تم میں سے بھی کوئی شقی ایسا ضرور اٹھے گا جو یہ حرکت کرے گا۔ اس اعتبار سے اِن رکوعوں کو پڑھتے ہوئے یہ نہ سمجھئے کہ یہ محض اگلوں کی داستان ہے' بلکہ:

''خوشتراں باشد کہ سرّ دلبراں
گفتہ آید در حدیثِ دیگراں''

کے مصداق یہ ہمارے لیے ایک آئینہ ہے اور ہمیں ہر مرحلے پر سوچنا ہوگا' دروں بینی کرنی ہو گی کہ کہیں اسی گمراہی میں ہم بھی تو مبتلا نہیں؟

دوسرا اہم نکتہ پہلے سے ہی یہ سمجھ لیجیے کہ سورۃ البقرۃ کی آیات ۴۷۔۴۸ جن سے اس چھٹے رکوع کا آغاز ہو رہا ہے' یہ دو آیتیں بعینہٖ پندرہویں رکوع کے آغاز میں پھر آئیں گی۔

(۱) سنن الترمذی' کتاب الایمان' باب ما جاء فی افتراق ھذہ الامۃ۔

(۲) صحیح البخاری' کتاب احادیث الانبیاء' باب ما ذکر عن بنی اسرائیل۔ وصحیح مسلم' کتاب العلم' باب اتباع سنن الیھود والنصاریٰ۔

ان میں سے پہلی آیت میں تو شوشے بھر کا فرق بھی نہیں ہے' جبکہ دوسری آیت میں صرف الفاظ کی ترتیب بدلی ہے' مضمون وہی ہے۔ یوں سمجھئے کہ یہ گویا دو بریکٹ ہیں اور نو (۹) رکوعوں کے مضامین ان دو بریکٹوں کے درمیان ہیں۔ اور سورۃ البقرۃ کا پانچواں رکوع جو ان بریکٹوں سے باہر ہے' اس کے مضامین بریکٹوں کے اندر کے سارے مضامین سے ضرب کھا رہے ہیں۔ یہ حساب کا بہت ہی عام فہم سا قاعدہ ہے کہ بریکٹ کے باہر لکھی ہوئی رقم' جس کے بعد جمع یا تفریق وغیرہ کی کوئی علامت نہ ہو' وہ بریکٹ کے اندر موجود تمام اقدار (values) کے ساتھ ضرب کھائے گی۔ تو گویا اس پورے معاملے میں ہر ہر قدم پر رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کی دعوت موجود ہے۔ یہ وضاحت اس لیے ضروری ہے کہ اس حصے میں بعض آیات ایسی آ گئی ہیں جن سے کچھ لوگوں کو مغالطہ پیدا ہوا یا جن سے کچھ لوگوں نے جان بوجھ کر فتنہ پیدا کیا کہ نجاتِ اُخروی کے لیے محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان ضروری نہیں ہے۔ اس فتنے نے ایک بار اکبر کے زمانے میں ''دین الٰہی'' کی شکل میں جنم لیا تھا کہ آخرت میں نجات کے لیے صرف خدا کو مان لینا' آخرت کو مان لینا اور نیک اعمال کرنا کافی ہے' کسی رسول پر ایمان لانا ضروری نہیں ہے۔ یہ فتنہ صوفیاء میں بھی بہت بڑے پیمانے پر پھیلا اور ''مسجد مندر ہکو ونور'' کے فلسفے کی تشہیر کی گئی۔ یعنی مسجد میں اور مندر میں ایک ہی نور ہے' سب مذاہب اصل میں ایک ہی ہیں' سارا فرق شریعتوں کا اور عبادات کی ظاہری شکل کا ہے۔ اور وہ رسولوں سے متعلق ہے۔ چنانچہ رسولوں کو بیچ میں سے نکال دیجیے تو یہ ''دینِ الٰہی'' (اللہ کا دین) رہ جائے گا۔ یہ ایک بہت بڑا فتنہ تھا جو ہندوستان میں اُس وقت اٹھا جب سیاسی اعتبار سے مسلمانوں کا اقتدار چوٹی (climax) پر تھا۔ یہ فتنہ جس مسلمان حکمران کا اٹھایا ہوا تھا وہ ''اکبر اعظم'' اور ''مغل اعظم'' کہلاتا تھا۔ اس کے پیش کردہ ''دین'' کا فلسفہ یہ تھا کہ دینِ محمدی ﷺ کا دَور ختم ہو گیا (نعوذ باللہ)' وہ ایک ہزار سال کے لیے تھا' اب دوسرا ہزار سال (الف ثانی) ہے اور اس کے لیے نیا دین ہے۔ اُسے ''دینِ اکبری'' بھی کہا گیا اور ''دینِ الٰہی'' بھی۔ سورۃ البقرۃ کے اس حصے میں ایک آیت آئے گی جس سے کچھ لوگوں نے اس ''دینِ الٰہی'' کے لیے استدلال کیا تھا۔

ہندوستان میں بیسویں صدی میں یہ فتنہ پھر اٹھا جب گاندھی جی نے ''متحدہ وطنی قومیت'' کا نظریہ پیش کیا۔ اس موقع پر مسلمانوں میں سے ایک بہت بڑا نابغہ (genius) انسان ابوالکلام آزاد بھی اس فتنے کا شکار ہو گیا۔ گاندھی جی اپنی پرارتھنا میں کچھ قرآن کی

تلاوت بھی کرواتے' کچھ گیتا بھی پڑھواتے' کچھ اُپنشدوں سے' کچھ بائبل سے اور کچھ گُرو گرنتھ سے بھی استفادہ کیا جاتا۔ متحدہ وطنی قومیت کا تصور یہ تھا کہ ایک وطن کے رہنے والے لوگ ایک قوم ہیں' لہٰذا ان سب کو ایک ہونا چاہیے' مذہب تو انفرادی معاملہ ہے' کوئی مسجد میں چلا جائے' کوئی مندر میں چلا جائے' کوئی گُردوارے میں چلا جائے' کوئی کلیسا' سینگاگ یا چرچ میں چلا جائے تو اس سے کیا فرق واقع ہوتا ہے؟ اس طرح کے نظریات اور تصورات کا توڑ یہی ہے کہ یوں سمجھ لیجیے کہ پانچویں رکوع کی سات آیات بریکٹ کے باہر ہیں اور یہ بریکٹوں کے اندر کے مضمون سے مسلسل ضرب کھا رہی ہیں۔ چنانچہ ان بریکٹوں کے درمیان جتنا بھی مضمون آ رہا ہے وہ ان کے تابع ہوگا۔ گویا جہاں تک محمدٌ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کا معاملہ ہے وہ ہر مرحلے پر مقدر (understood) سمجھا جائے گا۔ اب ہم ان آیات کا مطالعہ شروع کرتے ہیں۔

آیت ۴۷ ﴿یٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ﴾ ''اے یعقوب کی اولاد! یاد کرو میرے اُس انعام کو جو میں نے تم پر کیا''

اس کی وضاحت گزشتہ رکوع میں ہو چکی ہے' لیکن یہاں آگے جو الفاظ آ رہے ہیں بہت زوردار ہیں:

﴿وَاَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ۝﴾ ''اور یہ کہ میں نے تمہیں فضیلت عطا کی تمام جہانوں پر۔''

عربی نحو کا یہ قاعدہ ہے کہ کہیں ظرف کا تذکرہ ہوتا ہے (یعنی جس میں کوئی شے ہے) لیکن اس سے مراد مظروف ہوتا ہے (یعنی ظرف کے اندر جو شے ہے)۔ یہاں بھی ظرف کی جمع لائی گئی ہے لیکن اس سے مظروف کی جمع مراد ہے۔ ''تمام جہانوں پر فضیلت'' سے مراد ''جہان والوں پر فضیلت'' ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے تمہیں تمام اقوامِ عالم پر فضیلت عطا کی۔ عالمِ انسانیت کے اندر جتنے بھی مختلف گروہ' نسلیں اور طبقات ہیں اُن میں فضیلت عطا کی۔

آیت ۴۸ ﴿وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْـًٔا﴾ ''اور ڈرو اُس دن سے کہ جس دن کام نہ آ سکے گی کوئی جان کسی دوسری جان کے کچھ بھی''

قبل ازیں یہ بات عرض کی جا چکی ہے کہ انسان کے عمل کے اعتبار سے سب سے مؤثر

شے ایمان بالآخرۃ ہے۔ محاسبۂ آخرت اگر مستحضر رہے گا تو انسان سیدھا رہے گا' اور اگر اس میں ضعف آ جائے تو ایمان باللہ اور ایمان بالرسالت بھی نمعلوم کیا کیا شکلیں اختیار کر لیں۔ اس آیت کے اندر چار اعتبارات سے محاسبۂ اخروی پر زور دیا گیا ہے۔ سب سے پہلے فرمایا کہ ڈرو اُس دن سے جس دن کوئی جان کسی دوسری جان کے کچھ بھی کام نہ آ سکے گی۔

﴿وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ﴾ ''اور نہ کسی سے کوئی سفارش قبول کی جائے گی''

﴿ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ﴾ ''اور نہ کسی سے کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا''

﴿وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝﴾ ''اور نہ انہیں کوئی مدد مل سکے گی۔''

ایمان بالآخرۃ کے ضمن میں لوگوں نے طرح طرح کے عقیدے گھڑ رکھے ہیں' جن میں شفاعتِ باطلہ کا تصور بھی ہے۔ اہل عرب سمجھتے تھے کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں۔ انہوں نے لات' منات اور عزیٰ وغیرہ کے نام سے اُن کے بُت بنا رکھے تھے' جنہیں وہ پوجتے تھے اور یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اللہ کی یہ لاڈلی بیٹیاں ہمیں اپنے ''ابا جان'' سے چھڑا لیں گی۔ (نعوذ باللّٰہ من ذٰلك)۔ ہمارے ہاں بھی شفاعتِ باطلہ کا تصور موجود ہے کہ اولیاء اللہ ہمیں چھڑا لیں گے۔ خود رسول اللہ ﷺ کی شفاعت کے بارے میں غلط تصورات موجود ہیں۔ ایک شفاعتِ حقہ ہے' جو برحق ہے' اس کی وضاحت کا یہ موقع نہیں ہے۔ اسی سورۂ مبارکہ میں جب ہم آیت الکرسی کا مطالعہ کریں گے تو اِن شاء اللہ اس کی وضاحت بھی ہو گی۔ یہ سارے تصورات اور خیالات جو ہم نے گھڑ رکھے ہیں' ان کی نفی اس آیت کے اندر دوٹوک انداز میں کر دی گئی ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے بنی اسرائیل پر جو احسانات و انعامات ہوئے اور ان کی طرف سے جو ناشکریاں ہوئیں ان کا تذکرہ بڑی تیزی کے ساتھ کیا گیا ہے۔ واضح رہے کہ یہ واقعات کئی سو برس پر محیط ہیں اور ان کی تفصیل مکی سورتوں میں آ گئی ہے۔ ان واقعات کی سب سے زیادہ تفصیل سورۃ الاعراف میں موجود ہے۔ یہاں پر تو واقعات کا پے بہ پے تذکرہ کیا جا رہا ہے' جیسے کسی ملزم پر فردِ قرارداد جرم عائد کی جاتی ہے تو اُس میں سب کچھ گنوایا جاتا ہے کہ تم نے یہ کیا' یہ کیا اور یہ کیا۔

آیت ۴۹ ﴿وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ﴾ ''اور ذرا یاد کرو جب کہ ہم نے تمہیں نجات دی تھی فرعون کی قوم سے''

﴿يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ﴾ ''وہ تمہیں بدترین عذاب میں مبتلا کیے ہوئے تھے''

﴿یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَ کُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَ کُمْ ؕ﴾ ''تمہارے بیٹوں کو ذبح کر ڈالتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے تھے۔''

فرعون نے حکم دیا تھا کہ بنی اسرائیل میں جو بھی لڑکا پیدا ہو اُس کو قتل کر دیا جائے اور لڑکیوں کو زندہ رہنے دیا جائے تاکہ ان سے خدمت لی جا سکے اور انہیں لونڈیاں بنایا جا سکے۔ بنی اسرائیل کے ساتھ یہ معاملہ دو مواقع پر ہوا ہے۔ اس کی تفصیل اِن شاء اللہ بعد میں آئے گی۔

﴿وَفِیْ ذٰلِکُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ عَظِیْمٌ ﴿۴۹﴾﴾ ''اور اس میں تمہارے ربّ کی طرف سے تمہارے لیے بڑی آزمائش تھی۔''

آیت ۵۰ ﴿وَاِذْ فَرَقْنَا بِکُمُ الْبَحْرَ﴾ ''اور یاد کرو جبکہ ہم نے تمہاری خاطر سمندر کو (یا دریا کو) پھاڑ دیا''

یہ ایک مختلف فیہ بات ہے کہ بنی اسرائیل نے مصر سے جزیرہ نمائے سینا آنے کے لیے کس سمندر یا دریا کو عبور کیا تھا۔ ایک رائے یہ ہے کہ دریائے نیل کو عبور کر کے گئے تھے' لیکن یہ بات اس اعتبار سے غلط ہے کہ دریائے نیل تو مصر کے اندر بہتا ہے' وہ کبھی بھی مصر کی حد نہیں بنا۔ دوسری رائے یہ ہے کہ بنی اسرائیل نے خلیج سویز کو عبور کیا تھا۔ بحیرۂ قلزم (Red Sea) اوپر جا کر دو کھاڑیوں میں تبدیل ہو جاتا ہے' مشرق کی طرف خلیج عقبہ اور مغرب کی طرف خلیج سویز ہے اور ان کے درمیان جزیرہ نمائے سینا (Sinai Peninsula) ہے۔ یہ اسی طرح کی تکون ہے جیسے جزیرہ نمائے ہند (Indian Peninsula) ہے۔ خلیج سویز اور بحیرۂ روم کے درمیان کئی بڑی بڑی جھیلیں تھیں' جن کو باہم جوڑ جوڑ کر' درمیان میں حائل خشکی کو کاٹ کر نہر سویز بنائی گئی ہے' جو اَب ایک مسلسل رابطہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ اور بنی اسرائیل نے خلیج سویز کو عبور کیا تھا۔ مجھے خود بھی اسی رائے سے اتفاق ہے۔ اس لیے کہ کوہِ طور اس جزیرہ نمائے سینا کی نوک (tip) پر واقع ہے' جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چالیس دن رات کے لیے بلایا گیا اور پھر انہیں تورات دی گئی۔ بنی اسرائیل نے خلیج سویز کو اس طرح عبور کیا کہ حضرت موسیٰؑ کے عصا کی ایک ضرب سے سمندر پھٹ گیا۔ از روئے الفاظِ قرآنی: ﴿فَانْفَلَقَ فَکَانَ کُلُّ فِرْقٍ کَالطَّوْدِ الْعَظِیْمِ ﴿۶۳﴾﴾ (الشُّعراء) ''پس سمندر پھٹ گیا اور ہو گیا ہر حصہ جیسے بڑا پہاڑ''۔ سمندر کا پانی دونوں طرف پہاڑ کی طرح کھڑا ہو گیا اور بنی اسرائیل

اس کے درمیان میں سے نکل گئے۔ ان کے پیچھے پیچھے جب فرعون اپنا لشکر لے کر آیا تو اُس نے سوچا کہ ہم بھی ایسے ہی نکل جائیں گے' لیکن وہ غرق ہو گئے۔ اس لیے کہ دونوں طرف کا پانی آپس میں مل گیا۔ یہ ایک معجزانہ کیفیت تھی اور یہ بات فطرت (nature) کے قوانین کے مطابق نہیں تھی۔

﴿فَاَنْجَیْنٰکُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ﴾ ''پھر تمہیں تو نجات دے دی اور فرعون کے لوگوں کو غرق کر دیا جبکہ تم دیکھ رہے تھے۔''

تمہاری نگاہوں کے سامنے فرعون کے لاؤلشکر کو غرق کر دیا۔ بنی اسرائیل خلیج سویز سے گزر چکے تھے اور دوسری جانب کھڑے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ اِدھر سے فرعون اور اس کا لاؤلشکر سمندر میں داخل ہوا تو پانی دونوں طرف سے آ کر مل گیا اور یہ سب غرق ہو گئے۔

آیت ۵۱ ﴿وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓی اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً﴾ ''اور یاد کرو جب ہم نے وعدہ کیا موسیٰؑ سے چالیس رات کا''

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا فرمانے کے لیے چالیس دن رات کے لیے کوہِ طور پر بلایا۔

﴿ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ﴾ ''پھر تم نے بنا لیا بچھڑے کو (معبود) اُس کے بعد''

بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غیر حاضری میں بچھڑے کی پرستش شروع کر دی اور اسے معبود بنا لیا۔

﴿وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ﴾ ''اور تم ظالم تھے۔''

بچھڑے کو معبود بنا کر تم نے بہت بڑے ظلم کا ارتکاب کیا تھا۔ الفاظِ قرآنی: ﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ﴾ کے مصداق عظیم ترین ظلم جو ہے وہ شرک ہے' اور بنی اسرائیل نے شرکِ جلی کی یہ مکروہ ترین شکل اختیار کی کہ بچھڑے کی پرستش شروع کر دی!

آیت ۵۲ ﴿ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ﴾ '' پھر ہم نے تمہیں اس کے بعد بھی معاف کیا'' ——— یہ ہمارا کرم رہا ہے' ہماری رحمت رہی ہے۔

﴿لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ ''تاکہ تم شکر کرو۔''

آیت ۵۳ ﴿وَاِذْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّکُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾ ''اور یاد کرو جب کہ ہم نے موسیٰؑ کو کتاب اور فرقان عطا فرمائی تا کہ تم ہدایت پاؤ۔''

''فرقان'' سے مراد حق اور باطل کے درمیان فرق کر دینے والی چیز ہے اور کتاب کا لفظ عام طور پر شریعت کے لیے آتا ہے۔

آیت ۵۴ ﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ﴾ ''اور یاد کرو جبکہ کہا تھا موسیٰؑ نے اپنی قوم سے''

﴿یٰقَوْمِ اِنَّکُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَکُمْ بِاتِّخَاذِکُمُ الْعِجْلَ﴾ ''اے میری قوم کے لوگو! یقیناً تم نے اپنے اوپر بڑا ظلم کیا ہے بچھڑے کو معبود بنا کر''

﴿فَتُوْبُوْٓا اِلٰی بَارِئِکُمْ﴾ ''پس اب توبہ کرو اپنے پیدا کرنے والے کی جناب میں''

﴿فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَکُمْ ؕ﴾ ''تو قتل کرو اپنے آپ کو۔''

یہ واقعہ تورات میں تفصیل سے آیا ہے' قرآن میں اس کی تفصیل مذکور نہیں ہے۔ بہت سے واقعات جن کا قرآن میں اجمالاً ذکر ہے ان کی تفصیل کے لیے ہمیں تورات سے رجوع کرنا پڑتا ہے' ورنہ بعض آیات کا صحیح صحیح مفہوم واضح نہیں ہوتا۔ یہاں الفاظ آئے ہیں: ﴿فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَکُمْ ؕ﴾ ''مار ڈالو اپنی جانیں'' یا ''قتل کرو اپنے آپ کو''۔ اس کے کیا معنی ہیں؟ یہ دراصل قتل مرتد کی سزا ہے۔ بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے۔ ہر قبیلے میں سے کچھ لوگوں نے یہ کفر اور شرک کیا کہ بچھڑے کو معبود بنا لیا' باقی لوگوں نے ایسا نہیں کیا۔ بنی اسرائیل کو حکم دیا گیا کہ ہر قبیلے کے وہ لوگ جو اس شرک میں ملوث نہیں ہوئے اپنے اپنے قبیلے کے ان لوگوں کو قتل کریں جو اس کفر و شرک کے مرتکب ہوئے۔ ''فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَکُمْ'' سے مراد یہ ہے کہ تم اپنے قبیلے کے لوگوں کو قتل کرو۔ اس لیے کہ قبائلی زندگی بڑی حساس ہوتی ہے اور کسی دوسرے قبیلے کی مداخلت سے قبائلی عصبیت بھڑک اٹھنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس حکم پر عمل درآمد کے نتیجے میں ستر ہزار یہودی قتل ہوئے۔ اس سے بڑی توبہ اور اس سے بڑی تطہیر (purge) ممکن نہیں ہے۔ کسی بھی نظریاتی جماعت کے اندر تزکیہ اور تطہیر کا عمل بہت ضروری ہوتا ہے۔ کچھ لوگ ایک نظریے کو قبول کر کے جماعت سے وابستہ ہو جاتے ہیں' لیکن رفتہ رفتہ نظریہ اوجھل ہو جاتا ہے اور اپنے مفادات اور چودھراہٹیں مقدم ہو جاتی ہیں۔ اسی سے جماعتیں خراب ہوتی ہیں اور غلط راستے پر پڑ جاتی ہیں۔ چنانچہ نظریاتی جماعتوں میں یہ عمل بہت ضروری ہوتا ہے کہ جو افراد نظریے سے منحرف ہو جائیں ان کو

جماعت سے کاٹ کر علیحدہ کر دیا جائے۔

قرآن حکیم کے اس مقام سے قتلِ مرتد کی سزا ثابت ہوتی ہے' جبکہ قتلِ مرتد کا واضح حکم حدیث نبویؐ میں موجود ہے۔ ہمارے بعض جدید دانشور اسلام میں قتل مرتد کی حد کو تسلیم نہیں کرتے' لیکن میرے نزدیک یہ شریعتِ موسویؑ کا تسلسل ہے۔ شریعت موسویؑ کے جن احکام کے بارے میں صراحتاً یہ معلوم نہیں کہ انہیں تبدیل کر دیا گیا ہے وہ شریعت محمدی ﷺ کا جزو بن گئے ہیں۔ شادی شدہ زانی پر حدِ رجم کا معاملہ بھی یہی ہے۔ قرآن مجید میں حدِ رجم کی کوئی صریح آیت موجود نہیں ہے' لیکن احادیث میں یہ سزا موجود ہے۔ اسی طرح قرآن مجید میں مرتد کے قتل کی کوئی صریح آیت موجود نہیں ہے' لیکن یہ حدیث اور سنت سے ثابت ہے۔ البتہ ان دونوں سزاؤں کا منبع اور ماخذ دراصل تورات ہے۔ اس اعتبار سے قرآن حکیم کا یہ مقام بہت اہم ہے' لیکن اکثر لوگ یہاں سے بہت سرسری طور پر گزر جاتے ہیں۔

بنی اسرائیل جب مصر سے نکلے تو ان کی تعداد چھ لاکھ تھی۔ جزیرہ نمائے سینا پہنچنے کے بعد ان کی تعداد مزید بڑھ گئی ہو گی۔ اُن میں سے ستر ہزار افراد کو شرک کی پاداش میں قتل کیا گیا' اور ہر قبیلے نے جو اپنے مرتد تھے ان کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔

﴿ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ۭ﴾ ''یہی تمہارے لیے تمہارے ربّ کے نزدیک بہتر بات ہے۔''

﴿فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۭ﴾ ''تو (اللہ نے) تمہاری توبہ قبول کر لی۔''

بنی اسرائیل کی توبہ اس طرح قبول ہوئی کہ اُمت کا تزکیہ ہوا اور ان میں سے جن لوگوں نے اتنی بڑی غلط حرکت کی تھی ان کو ذبح کر کے' قتل کر کے اُمت سے کاٹ کر پھینک دیا گیا۔

﴿اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴾ ''یقیناً وہ تو ہے ہی توبہ کا بہت قبول فرمانے والا' بہت رحم فرمانے والا۔''

آیت ۵۵ ﴿وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً﴾ ''اور یاد کرو جبکہ تم نے کہا تھا اے موسیٰؑ! ہم تمہارا ہرگز یقین نہیں کریں گے جب تک ہم اللہ کو سامنے نہ دیکھ لیں''

اٰمَنَ یُؤْمِنُ کے بعد ''بِ'' کا صلہ ہو تو اس کے معنی ایمان لانے کے ہوتے ہیں' جبکہ ''لِ'' کے صلہ کے ساتھ اس کے معنی صرف تصدیق کے ہوتے ہیں۔ بنی اسرائیل نے حضرت

موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ ہم آپ کی بات کی تصدیق نہیں کریں گے جب تک ہم اپنی آنکھوں سے اللہ کو آپ سے کلام کرتے نہ دیکھ لیں۔ ہم کیسے یقین کر لیں کہ اللہ نے یہ کتاب آپ کو دی ہے؟ آپؑ تو ہمارے سامنے پتھر کی کچھ تختیاں لے کر آ گئے ہیں جن پر کچھ لکھا ہوا ہے۔ ہمیں کیا پتا کہ یہ کس نے لکھا ہے؟ دیکھئے ایک خواہش حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بھی تھی کہ ﴿رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْكَ﴾ (الاعراف:۱۴۳) ''اے میرے ربّ! مجھے یارائے نظر دے کہ میں تجھ کو دیکھوں''۔ وہ کچھ اور شے تھی' وہ ع ''تو میرا شوق دیکھ مرا انتظار دیکھ!'' کی کیفیت تھی' لیکن یہ تخریبی ذہن کی سوچ ہے کہ ہم بھی چاہتے ہیں کہ اللہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور ہمیں معلوم ہو کہ واقعی اُس نے آپ کو یہ کتاب دی ہے۔

﴿فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝﴾ ''تو تمہیں آ پکڑا ایک بہت بڑی کڑک نے اور تم دیکھ رہے تھے۔'' تمہارے دیکھتے دیکھتے ایک بہت بڑی کڑک نے تمہیں آ لیا اور تم سب کے سب مردہ ہو گئے۔

آیت ۵۶ ﴿ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ﴾ ''پھر ہم نے تمہیں دوبارہ اٹھایا تمہاری موت کے بعد''

بعض لوگ اس کی ایک تاویل کرتے ہیں کہ یہ موت نہیں تھی' بلکہ زبردست کڑک کی وجہ سے سب کے سب بے ہوش ہو کر گر پڑے تھے' لیکن میرے نزدیک یہاں تاویل کی ضرورت نہیں ہے' بعث بعد الموت اللہ کے لیے کچھ مشکل نہیں ہے۔ ﴿مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ﴾ کے الفاظ اپنے مفہوم کے اعتبار سے بالکل صریح ہیں' انہیں خواہ مخواہ کوئی اور معنی پہنانا درست نہیں ہے۔

﴿لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝﴾ ''تاکہ تم (اس احسان پر ہمارا) شکر کرو۔''

آیت ۵۷ ﴿وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ﴾ ''اور ہم نے تم پر ابر کا سایہ کیا''

جزیرہ نمائے سینا کے لق و دق صحرا میں چھ لاکھ کا قافلہ چل رہا ہے' کوئی اوٹ نہیں' کوئی سایہ نہیں' دھوپ کی تپش سے بچنے کا کوئی انتظام نہیں۔ ان حالات میں ان پر اللہ تعالیٰ کا یہ فضل ہوا کہ تمام دن ایک بادل ان پر سایہ کیے رہتا اور جہاں جہاں وہ جاتے وہ بادل ان کے ساتھ ساتھ ہوتا۔

﴿وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى﴾ ''اور اتارا تم پر مَن اور سلویٰ۔''

صحرائے سینا میں بنی اسرائیل کے پاس کھانے کو کچھ نہیں تھا تو ان کے لیے مَن و سلویٰ

نازل کیے گئے۔ ''مَنّ'' رات کے وقت شبنم کے قطروں کی مانند اترتا تھا' جس میں شیرینی بھی ہوتی تھی' اور اس کے قطرے زمین پر آ کر جم جاتے تھے اور دانوں کی صورت اختیار کر لیتے تھے۔ یہ گویا ان کا اناج ہو گیا' جس سے کاربوہائیڈریٹس کی ضرورت پوری ہو گئی۔ ''سلویٰ'' ایک خاص قسم کا بٹیر کی شکل کا پرندہ تھا۔ شام کے وقت ان پرندوں کے بڑے بڑے جھنڈ آتے اور جہاں بنی اسرائیل ڈیرہ ڈالے ہوتے اس کے گرد اتر آتے تھے۔ رات کی تاریکی میں یہ اُن پرندوں کو آسانی سے پکڑ لیتے تھے اور بھون کر کھاتے تھے۔ چنانچہ اُن کی پروٹین کی ضرورت بھی پوری ہو رہی تھی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اُن کو مکمل غذا فراہم کر دی تھی۔

﴿كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ﴾ ''(ہم نے کہا) کھاؤ ان پاکیزہ چیزوں کو جو ہم نے تم کو عطا کی ہیں۔''

﴿وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ﴾ ''اور انہوں نے ہمارا کچھ نقصان نہ کیا' بلکہ وہ خود اپنے اوپر ظلم ڈھاتے رہے۔''

ہر قدم پر نافرمانی اور ناشکری بنی اسرائیل کا وطیرہ تھی۔ چنانچہ انہوں نے ''مَنّ وسلویٰ'' جیسی نعمت کی قدر بھی نہ کی اور ناشکری کی روش اپنائے رکھی۔ اس کا ذکر اگلی آیات میں آ جائے گا۔

آیت ۵۸ ﴿وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا﴾ ''اور یاد کرو جبکہ ہم نے تم سے کہا تھا کہ داخل ہو جاؤ اس شہر میں اور پھر کھاؤ اس میں سے بافراغت جہاں سے چاہو جو چاہو''

﴿وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ﴾ ''لیکن دیکھنا (بستی کے) دروازے میں داخل ہونا جھک کر اور کہتے رہنا مغفرت مغفرت' تو ہم تمہاری خطاؤں سے درگزر فرمائیں گے۔''

﴿وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ ''اور محسنین کو ہم مزید فضل و کرم سے نوازیں گے۔''

بنی اسرائیل کے صحرائے سینا میں آنے اور تورات عطا کیے جانے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی کے زمانے میں انہیں جہاد اور قتال کا حکم ہوا' لیکن اس سے پوری قوم نے انکار کر

دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ سزا مسلط کر دی کہ یہ چالیس برس تک اسی صحرا میں بھٹکتے پھریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر یہ ابھی جہاد اور قتال کرتے تو ہم پورا فلسطین ان کے ہاتھ سے ابھی فتح کرا دیتے' لیکن چونکہ انہوں نے بزدلی دکھائی ہے لہٰذا اب ان کی سزا یہ ہے کہ: ﴿فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ﴾ (المائدۃ:۲۶) یعنی ارضِ فلسطین جو ان کے لیے ارضِ موعود تھی وہ ان پر چالیس سال کے لیے حرام کر دی گئی ہے' اب یہ چالیس سال تک اسی صحرا میں بھٹکتے پھریں گے۔ صحرا نوردی کے اس عرصے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بھی انتقال ہو گیا اور حضرت ہارون علیہ السلام کا بھی۔ اس عرصے میں ایک نئی نسل پیدا ہوئی اور وہ نسل جو مصر سے غلامی کا داغ اٹھائے ہوئے آئی تھی وہ پوری کی پوری ختم ہو گئی۔ غلامی کا یہ اثر ہوتا ہے کہ غلام قوم کے اندر اخلاق و کردار کی کمزوریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ صحرا نوردی کے زمانے میں جو نسل پیدا ہوئی اور صحرا ہی میں پروان چڑھی وہ ایک آزاد نسل تھی جو ان کمزوریوں سے پاک تھی اور ان میں ایک جذبہ تھا۔ بنی اسرائیل کی اس نئی نسل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ یوشع بن نون [تورات میں ان کا نام یشوع (Joshua) آیا ہے] کی قیادت میں قتال کیا اور پہلا شہر جو فتح ہوا وہ ''اریحا'' تھا۔ یہ شہر آج بھی جریکو (Jericho) کے نام سے موجود ہے۔

یہاں پر اس فتح کے بعد کا تذکرہ ہو رہا ہے کہ یاد کرو جبکہ ہم نے تم سے کہا تھا کہ اس شہر میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہو جاؤ اور پھر جو کچھ نعمتیں یہاں ہیں ان سے متمتع ہو' خوب کھاؤ پیو' لیکن شہر کے دروازے سے سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونا۔ مراد یہ ہے کہ جھک کر' سجدۂ شکر بجالاتے ہوئے داخل ہونا۔ ایسا نہ ہو کہ تکبر کی وجہ سے تمہاری گردنیں اکڑ جائیں۔ اللہ کا احسان مانتے ہوئے گردنیں جھکا کر داخل ہونا۔ یہ نہ سمجھنا کہ یہ فتح تم نے بزورِ بازو حاصل کی ہے۔ اس کا نقشہ ہمیں محمدٌ رسول اللہ ﷺ کی شخصیت میں نظر آتا ہے کہ جب فتح مکہ کے موقع پر آپ مکہ میں داخل ہوئے تو جس سواری پر آپ ﷺ بیٹھے ہوئے تھے آپ کی پیشانی مبارک اس کی گردن کے ساتھ جڑی ہوئی تھی۔ یہ وقت ہوتا ہے جبکہ ایک فاتح تکبر اور تعلّی کا مظاہرہ کرتا ہے' لیکن بندۂ مؤمن کے لیے یہی وقت تواضع کا اور جھکنے کا ہے۔

اس کے ساتھ ہی انہیں حکم دیا گیا کہ: ﴿وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ﴾ ''اور کہتے جاؤ مغفرت مغفرت''۔ حِطَّةٌ کا وزن فِعْلَةٌ اور مادہ ''ح ط ط'' ہے۔ حَطَّ یَحُطُّ حَطًّا کے متعدد معنی ہیں' جن میں سے ایک ''پتے جھاڑنا'' ہے۔ مثلاً کہیں گے حَطَّ وَرَقَ الشَّجَرِ (اُس نے

درخت کے پتے جھاڑ دیے) حِطَّةٌ کے معنی ''استغفار' طلب مغفرت اور توبہ'' کے کیے جاتے ہیں۔ گویا اس میں گناہوں کو جھاڑ دینے اور خطاؤں کو معاف کر دینے کا مفہوم ہے۔ چنانچہ ''وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ'' کا مفہوم یہ ہوگا کہ مفتوح بستی میں داخل ہوتے وقت جہاں تمہاری گردنیں عاجزی کے ساتھ جھکی ہونی چاہئیں وہیں تمہاری زبان پر بھی استغفار ہونا چاہیے کہ اے اللہ ہمارے گناہ جھاڑ دے' ہماری مغفرت فرما دے' ہماری خطاؤں کو بخش دے! اگر تم ہمارے اس حکم پر عمل کرو گے تو ہم تمہاری خطائیں معاف فرما دیں گے' اور تم میں جو محسن اور نیکوکار ہوں گے انہیں مزید فضل و کرم اور انعام و اکرام سے نوازیں گے۔

آیت ۵۹ ﴿فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ﴾ ''پھر بدل ڈالا ظالموں نے بات کو خلاف اس کے جو اُن سے کہہ دی گئی تھی''

ان میں سے جو ظالم تھے' بدکردار تھے انہوں نے ایک اور قول اختیار کر لیا اُس قول کی جگہ جو اُن سے کہا گیا تھا۔ ان سے کہا گیا تھا کہ ''حِطَّةٌ حِطَّةٌ'' کہتے ہوئے داخل ہونا' لیکن انہوں نے اس کی بجائے ''حِنْطَةٌ حِنْطَةٌ'' کہنا شروع کر دیا' یعنی ہمیں تو گیہوں چاہیے' گیہوں چاہیے! اگلے رکوع میں یہ بات آ جائے گی کہ مَن وسلویٰ کھاتے کھاتے بنی اسرائیل کی طبیعتیں بھر گئی تھیں' ایک ہی چیز کھا کھا کر وہ اکتا گئے تھے اور اب وہ کہہ رہے تھے کہ ہمیں زمین کی روئیدگی اور پیداوار میں سے کوئی چیز کھانے کو ملنی چاہیے۔ اس خواہش کا اظہار اُن کی زبانوں پر ''حِنْطَةٌ حِنْطَةٌ'' کی صورت میں آ گیا۔ اس طرح انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کا استہزاء و تمسخر کیا جو انہیں ''وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ'' کے الفاظ میں دیا گیا تھا۔ اسی طرح شہر میں سجدہ ریز ہوتے ہوئے داخل ہونے کی بجائے انہوں نے اپنے سرینوں پر پھسلنا شروع کیا۔

﴿فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ﴾ ''پھر ہم نے اتارا ظلم کرنے والوں پر ایک بڑا عذاب آسمان سے''

جن ظالموں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کا استہزاء و تمسخر کیا تھا اُن پر آسمان سے ایک بہت بڑا عذاب نازل ہوا۔ تورات سے معلوم ہوتا ہے کہ اریحا شہر میں پہنچنے کے بعد انہیں طاعون کی وبا نے آ لیا اور جنہوں نے یہ حرکت کی تھی وہ سب کے سب ہلاک ہو گئے۔

﴿بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ﴾ ''بسبب اُس نافرمانی کے جو انہوں نے کی۔''

یہ اُن نافرمانیوں اور حکم عدولیوں کی سزا تھی جو وہ کر رہے تھے۔

فہم القرآن

ترجمۂ قرآن مجید

مع صرفی و نحوی تشریح

افادات: حافظ احمد یار مرحوم

ترتیب وتدوین: لطف الرحمٰن خان

سورۃ البقرۃ (مسلسل)

آیت ۲۰۳

﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝﴾

ح ش ر

حَشَرَ (ن) حَشْرًا : (۱) جمع کرنا' اکٹھا کرنا۔ (۲) جمع کرنے کے لیے نکالنا' اُٹھانا۔ ﴿يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ۝﴾ (مریم) ''جس دن ہم جمع کریں گے متقی لوگوں کو رحمٰن کی طرف بطور وفد کے۔'' ﴿رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى﴾ (طٰہٰ: ۱۲۵) ''اے میرے ربّ! تو نے کیوں اُٹھایا مجھ کو اندھا؟''

اُحْشُرْ (فعل امر) : تو جمع کر۔ ﴿اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا﴾ (الصّٰفّٰت: ۲۲) ''تم لوگ اکٹھا کرو اُن لوگوں کو جنہوں نے ظلم کیا۔''

حَاشِرٌ (اسم الفاعل) : جمع کرنے والا۔ ﴿وَابْعَثْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ۝﴾ (الشُّعراء) ''اور تو بھیج شہروں میں جمع کرنے والوں کو۔''

مَحْشُوْرٌ (اسم المفعول) : جمع کیا ہوا۔ ﴿وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً ۭ﴾ (صٓ: ۱۹) ''اور پرندوں کو' جمع کیے ہوئے۔''

ترکیب : ''وَاذْکُرُوْا'' کا فاعل اس کی ''اَنْتُمْ'' کی ضمیر ہے' لفظ ''اللّٰہَ'' مفعول ہے اور مرکب توصیفی ''اَیَّامٍ مَّعْدُوْدَاتٍ'' ظرف ہے' لیکن ''فِیْ'' کی وجہ سے حالتِ جر میں آیا ہے۔ ''فَمَنْ'' میں ''مَنْ'' شرطیہ ہے۔ ''تَعَجَّلَ فِیْ یَوْمَیْنِ'' شرط ہے جبکہ ''فَلَا اِثْمَ عَلَیْہِ'' جوابِ شرط ہے اور اس پر لائے نفیٔ جنس ہے۔

ترجمہ:

وَاذْکُرُوا : اور تم لوگ یاد کرو	اللّٰہَ : اللہ کو
فِیْ اَیَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ: گنے ہوئے دنوں میں	فَمَنْ : پس جس نے
تَعَجَّلَ : جلدی کی	فِیْ یَوْمَیْنِ : دو دنوں میں
فَلَا اِثْمَ : تو کسی قسم کا گناہ نہیں ہے	عَلَیْہِ : اس پر
وَمَنْ تَاَخَّرَ : اور جس نے دیر کی	فَلَا اِثْمَ عَلَیْہِ : تو کسی قسم کا کوئی گناہ نہیں ہے اس پر
لِمَنِ اتَّقٰی : اس کے لیے جس نے تقویٰ کیا	وَاتَّقُوا : اور تم لوگ تقویٰ کرو
اللّٰہَ : اللہ کا	وَاعْلَمُوْٓا : اور تم لوگ جان لو
اَنَّکُمْ : کہ	اِلَیْہِ : اس کی طرف ہی
تُحْشَرُوْنَ : تم سب اکٹھا کیے جاؤ گے	

نوٹ (۱) : ''تَعَجَّلَ'' کے ساتھ دو دنوں کی وضاحت ہے لیکن ''تَاَخَّرَ'' کے ساتھ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اس سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ حاجی کی مرضی ہے کہ جب تک اس کا جی چاہے منیٰ میں رہے' تین دن میں واپسی ضروری نہیں ہے۔ کچھ لوگ سعودی حکومت پر تنقید کرتے ہیں کہ تمام انتظامات ختم کر کے حاجیوں کو تین دنوں میں واپسی پر مجبور کرنا اس آیت کے خلاف ہے۔ وہ لوگ یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ طریقہ اسلام سے بھی پہلے سے رائج ہے جسے قرآن یا حدیث میں تبدیل نہیں کیا گیا۔ نیز ان کی دلیل کی تردید اس آیت کے الفاظ ''اَیَّامٍ مَّعْدُوْدَاتٍ'' سے ہو جاتی ہے کہ جلدی یا دیر کرنے کی بات ان دنوں کے حوالے سے ہے۔

اس قسم کی بحثوں میں الجھنے کے بجائے ہمیں اپنی توجہ کو اس آیت کے اصل سبق پر مرکوز کرنا چاہیے۔ اس میں سبق یہ دیا گیا ہے کہ کسی حاجی کی فضیلت اس میں نہیں ہے کہ دس تاریخ کو حج کے ارکان سے فارغ ہونے کے بعد کون منیٰ میں دو دن رہا اور کون تین دن' بلکہ فضیلت

اس میں ہے کہ قیام کے دوران کس نے اللہ کو کتنا یاد کیا اور اللہ کی نافرمانیوں سے بچنے کی کتنی پریکٹس کی۔ جس طرح حج پر آنے کے سفر کے لیے بہترین زادِ راہ تقویٰ تھا اسی طرح واپسی کے لیے بھی بہترین زادِ راہ اور حج کا بہترین تحفہ تقویٰ ہونا چاہیے۔ اس لیے حج سے فارغ ہو کر کچھ عرصہ منیٰ میں قیام کر کے اپنے تقویٰ میں حسن ونکھار پیدا کر کے اسے خوب مستحکم کر لو' اس کے بعد اپنے کمرۂ امتحان میں واپس جاؤ۔

آیت ۲۰۴

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۝﴾

ع ج ب

عَجِبَ (س) عَجَبًا : حیرت زدہ ہونا' حیرت کرنا۔ ﴿اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ﴾ (الاعراف:۶۳) ''تو کیا تم لوگ حیرت زدہ ہو کہ تمہارے پاس آئی ایک یاددہانی تمہارے ربّ سے تم میں سے کسی شخص پر؟''

عَجَبٌ (مصدر کے علاوہ صفت بھی ہے) : جو چیز عام طور پر نظر نہ آتی ہو' غیر معمولی' حیران کن' انوکھی۔ ﴿اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ﴾ (یونس:۲) ''کیا لوگوں کے لیے حیران کن ہے کہ ہم نے وحی کی ان میں سے ایک شخص کی طرف؟''

عَجِيْبٌ (فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت) : حیران کن۔ ﴿هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ ۝﴾ (ق) ''یہ ایک حیران کن چیز ہے۔''

عُجَابٌ (فُعَالٌ کے وزن پر مبالغہ) : انتہائی حیران کن۔ ﴿اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ۝﴾ (ص) ''یقیناً یہ ایک انتہائی حیران کن چیز ہے۔''

اَعْجَبَ (افعال) اِعْجَابًا : (۱) کسی کو حیرت میں ڈالنا' حیرت زدہ کرنا۔ (۲) دلکش لگنا' بھلا لگنا۔ ﴿فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ۭ﴾ (التوبۃ:۵۵) ''تو حیران نہ کریں تجھ کو اُن کے مال اور نہ اُن کی اولاد۔'' ﴿وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ﴾ (المائدۃ:۱۰۰) ''اور اگرچہ بھلی لگے تجھ کو خباثت کی کثرت۔''

ل د د

لَدَّ (ن) لَدًّا : کسی کی بات نہ ماننا' ہٹ دھرم ہونا۔

اَلَدُّ ج لُدٌّ (اَفْعَلُ التَّفْضِیْل) : زیادہ ہٹ دھرم یا انتہائی ہٹ دھرم۔ واحد آیت زیر مطالعہ میں آیا ہے۔ ﴿وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ﴾ (مریم) ''اور تاکہ آپ خبردار کریں اس سے ایک زیادہ ہٹ دھرم قوم کو۔''

خ ص م

خَصَمَ (ض) خَصْمًا : زبانی جھگڑا کرنا' تو تکار کرنا۔

خَصْمٌ (اسم ذات بھی ہے) : مدّ مقابل' فریقِ مخالف۔ (یہ واحد' جمع' مؤنث' سب کے لیے آتا ہے)۔ ﴿وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ﴾ (صٓ:۲۱) ''اور کیا پہنچی تجھ کو مخالف فریقوں کی خبر؟''

خَصِمٌ جمع خِصَامٌ اور خَصِمُوْنَ (صفت) : کٹ حجتی' جھگڑالو۔ خِصَامٌ آیت زیر مطالعہ میں آیا ہے۔ ﴿بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ﴾ (الزخرف) ''بلکہ وہ لوگ جھگڑالو قوم ہیں۔''

خَصِیْمٌ (فَعِیْلٌ کے وزن پر صفت) : ہمیشہ بحث کرنے والا' جھگڑالو۔ ﴿فَاِذَا هُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ ﴾ (یٰسٓ) ''پس جب ہی وہ کھلے طور پر ہمیشہ بحث کرنے والا ہے۔''

اِخْتَصَمَ (افتعال) اِخْتِصَامًا : اہتمام سے ایک دوسرے سے اُلجھنا' جھگڑنا۔ ﴿وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴾ (آل عمران) ''اور آپ نہیں تھے ان کے پاس جب وہ ایک دوسرے سے اُلجھ رہے تھے۔''

تَخَاصَمَ (تفاعل) تَخَاصُمًا : باہم جھگڑا کرنا۔ ﴿اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ﴾ (صٓ) ''بیشک یہ حق ہے' آگ والوں کا باہم جھگڑا کرنا۔''

ترکیب : ''مَنْ'' نکرہ موصوفہ ہے۔ اگلا جملہ اس کی صفت ہے۔ ''یُعْجِبُ'' کا مفعول ضمیر ''كَ'' ہے اور ''قَوْلُهٗ'' اس کا فاعل ہے۔ ''یُشْهِدُ'' کا فاعل اس کی ''هُوَ'' کی ضمیر ہے جو ''مَنْ'' کے لیے ہے۔ ''اَلَدُّ الْخِصَامِ'' مرکب اضافی ہے' لیکن اُردو محاورے کی وجہ سے ترجمہ مرکب توصیفی میں ہوگا۔

ترجمہ:

وَمِنَ النَّاسِ : اور لوگوں میں وہ بھی ہے	مَنْ : جو
یُّعْجِبُكَ : بھلی لگتی ہے تجھ کو	قَوْلُهٗ : جس کی بات
فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا : دنیا کی زندگی میں	وَیُشْهِدُ : اور جو گواہ بناتا ہے

اللّٰهَ :اللہ کو | عَلٰی مَا :اس پر جو
فِیْ قَلْبِهٖ :اس کے دل میں ہے | وَ :حالانکہ
هُوَ :وہ | اَلَدُّ الْخِصَامِ : انتہائی ہٹ دھرم' کٹ حجتی ہے

آیت ۲۰۵

﴿وَاِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْهَا وَیُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾﴾

ح ر ث

حَرَثَ (ن) حَرْثًا :کھیتی کے لیے زمین تیار کرنا' بیج ڈالنا۔ ﴿اَفَرَءَیْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ﴿۶۳﴾ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ﴿۶۴﴾﴾ (الواقعۃ) ''کیا تم لوگوں نے دیکھا نہیں جو تم بیج ڈالتے ہو؟ کیا تم اُگاتے ہو اس کو یا ہم اُگانے والے ہیں؟''

حَرْثٌ (اسم ذات بھی ہے):کھیتی' آیت زیرِ مطالعہ۔

ن س ل

نَسَلَ (ض) نَسْلًا :پرندوں کے پر یا جانوروں کے اُون کا گرنا۔اس بنیادی مفہوم کے ساتھ مختلف معانی میں آتا ہے' مثلاً (۱) گرنا یا الگ ہونا۔(۲) تیز چلنا۔﴿وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ یَّنْسِلُوْنَ ﴿۹۶﴾﴾ (الانبیاء) ''اور وہ لوگ ہر بلندی سے تیزی سے پھسلتے ہوں گے۔''

نَسْلٌ:کسی سے الگ ہونے والی چیز' اولاد اور اولاد کی اولاد۔نسل۔آیتِ زیرِ مطالعہ۔

ترکیب : ''اِذَا'' شرطیہ ہے۔''تَوَلّٰی'' شرط ہے اور ''سَعٰی'' سے ''وَالنَّسْلَ'' تک جوابِ شرط ہے۔ افعال ''تَوَلّٰی' سَعٰی' یُفْسِدَ'' اور ''یُهْلِكَ'' کے فاعل ان کی ''هُوَ'' کی ضمیریں ہیں جو گزشتہ آیت میں مذکور ''مَنْ'' کے لیے ہیں۔''فِیْهَا'' کی ضمیر ''الْاَرْضَ'' کے لیے ہے۔''لِیُفْسِدَ'' میں لام ''کَیْ'' پر عطف ہونے کی وجہ سے ''یُهْلِكَ'' پر بھی نصب ہے۔معلوم ہے کہ لامِ کَیْ کے بعد لفظ اَنْ محذوف ہوتا ہے۔نسل سے مراد یہاں مویشیوں کی نسل ہے۔

ترجمہ:

وَاِذَا :اور جب | تَوَلّٰی :وہ لوٹتا ہے
سَعٰی :تو وہ بھاگ دوڑ کرتا ہے | فِی الْاَرْضِ : زمین میں

لِيُفْسِدَ : تاکہ وہ نظم بگاڑے | فِيْهَا : اس میں
وَيُهْلِكَ : اور تاکہ وہ برباد کرے | الْحَرْثَ : کھیتی کو
وَالنَّسْلَ : اور (مویشیوں کی) نسل کو | وَاللّٰهُ : اور اللہ
لَا يُحِبُّ : پسند نہیں کرتا | الْفَسَادَ : نظم کے بگاڑ کو

آیت ۲۰۶

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ ۚ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ﴾

م ھ د

مَهَدَ (ف) مَهْدًا : کسی چیز کو بچھانا' آرام دہ بنانا۔ ﴿وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِأَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُونَ﴾ (الروم) ''اور جس نے عمل کیا کوئی نیکی کا تو اپنے لیے وہ آرام دِہ بناتے ہیں۔''

مَاهِدٌ (اسم الفاعل) : بچھانے والا' آرام دہ بنانے والا۔ ﴿وَالْأَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ﴾ (الذّٰریٰت) ''اور زمین کو ہم نے بچھایا' اس کو تو ہم کتنا اچھا' آرام دہ بنانے والے ہیں!''

مِهَادٌ (فِعَالٌ کے وزن پر اسم المفعول) : آرام دِہ بنائی ہوئی چیز' آرام کا ٹھکانہ۔ (آیت زیر مطالعہ)۔

مَهْدٌ (اسم ذات) : بچھونا' چھوٹے بچے کا گہوارہ۔ ﴿الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْدًا﴾ (طٰہٰ:۵۳) ''جس نے بنایا تمہارے لیے زمین کو بچھونا۔'' ﴿كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ﴾ (مریم:۲۹) ''ہم کیسے بات کریں اس سے جو ہے گہوارے میں؟''

ترکیب : ''اِذَا'' شرطیہ ہے۔ ''قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ'' شرط ہے اور ''اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ'' جوابِ شرط ہے۔ ''اَخَذَتْ'' کا فاعل ''الْعِزَّةُ'' ہے اور ''هُ'' ضمیر مفعولی ہے' جبکہ ''بِالْإِثْمِ'' متعلق فعل ہے اور اس میں ''بِ'' سببیہ ہے۔ مرکب اضافی ''حَسْبُهُ'' مبتدأ ہے۔ ''جَهَنَّمُ'' خبر ہے۔ ''لَبِئْسَ الْمِهَادُ'' مبتدأ ہے اور اس کی خبر ''جَهَنَّمُ'' محذوف ہے۔

ترجمہ:

وَإِذَا : اور جب کبھی | قِيْلَ : کہا جاتا ہے

لَهٗ :اس سے اتَّقِ :تو تقویٰ کر
اللّٰهَ :اللہ کا اَخَذَتْهُ :تو جکڑ تا ہے اس کو
الْعِزَّةُ :گھمنڈ بِالْاِثْمِ :گناہ کے سبب سے
فَحَسْبُهٗ :پس کافی ہے اس کو جَهَنَّمُ :جہنم
وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ :اور بہت برا ٹھکانہ ہے (جہنم)

آیت ۲۰۷

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾﴾

ترکیب: ''يَشْرِيْ'' کا فاعل اس کی ''هُوَ'' کی ضمیر ہے جو ''مَنْ'' کے لیے ہے۔ ''نَفْسَهٗ'' اس کا مفعول اوّل ہے اور مرکب اضافی ''اِبْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ'' اس کا مفعول ثانی ہے' اس لیے مضاف ''اِبْتِغَاءَ'' پر نصب آئی ہے۔

ترجمہ:

وَمِنَ النَّاسِ :اور لوگوں میں وہ بھی ہیں مَنْ :جنہوں نے
يَشْرِيْ :سودا کیا نَفْسَهٗ :اپنے آپ کا
ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ: اللہ کے راضی ہونے کی جستجو کرنے سے وَاللّٰهُ :اور اللہ
رَءُوْفٌ :بے انتہا نرمی کرنے والا ہے بِالْعِبَادِ :بندوں سے

نوٹ :سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۰۰ سے آیت زیرِ مطالعہ یعنی ۲۰۷ تک میں چار قسم کے حاجیوں کا ذکر آیا ہے۔ لیکن ان کے لیے حاجی کے بجائے ''النَّاس'' کا لفظ لایا گیا ہے۔ اس سے راہنمائی یہ ملتی ہے کہ جیسے معاشرے میں مختلف کردار کے لوگ ہوتے ہیں ویسے حاجیوں میں بھی مختلف کردار کے لوگ ہوتے ہیں۔

آیت ۲۰۰ میں ''وَمِنَ النَّاسِ مَنْ'' کے الفاظ سے پہلی قسم کے حاجیوں کا ذکر ہوا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا حج کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ انہیں دنیا میں عزت وشہرت اور مقام ورتبہ حاصل ہو۔ ایسے لوگوں کو آخرت میں حج کا کوئی ثواب نہیں ملے گا۔ پھر آیت ۲۰۱ میں ''وَمِنْهُمْ مَّنْ'' کے الفاظ سے دوسری قسم کے حاجیوں کا ذکر ہوا۔ یہ لوگ دنیا اور آخرت دونوں جگہ کے

فوائد کے خواہشمند ہوتے ہیں۔ ان کو ان کی کمائی میں سے دونوں جگہ حصہ ملے گا۔ پھر آیت ۲۰۴ میں ''وَمِنَ النَّاسِ مَنْ'' کے الفاظ سے تیسری قسم کے حاجیوں کا ذکر ہوا۔ یہ Self Centred لوگ ہیں' یعنی انتہائی خود پسند لوگ جو اپنی ناک سے آگے کچھ نہیں دیکھتے اور اپنی بات کے آگے کسی کی بات کو اہمیت نہیں دیتے' یہاں تک کہ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی بات بھی نہیں سنتے۔ حالانکہ بات بات پر اللہ کو گواہ بناتے ہیں۔ یہ لوگ حج کرنے کے بعد بھی اپنے مخالف کو پست کرنے کے لیے کسی زیادتی یا ظلم سے دریغ نہیں کرتے۔ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اور آیت زیر مطالعہ میں چوتھی قسم کے حاجیوں کا ذکر ہے۔ یہ لوگ حج سے اللہ کی رضا کے علاوہ اور کوئی غرض نہیں رکھتے۔ ایسے بندوں سے اللہ تعالیٰ انتہائی نرمی کا معاملہ کرتا ہے۔ یعنی بشری تقاضوں کے تحت حج کے دوران ان سے جو بھی بھول چوک یا لغزش ہوتی ہے' اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے وہ سب معاف کر دیتا ہے۔

مذکورہ آیات کے مطالعہ سے بزرگوں کی اس بات میں بڑا وزن محسوس ہوتا ہے کہ ''جو کچھ آدمی کے اندر ہوتا ہے' حج کرنے کے بعد وہی نمایاں ہو جاتا ہے۔''

آیت ۲۰۸

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۠ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴾

ك ف ف

كَفَّ (ن) كَفًّا : (۱) ہتھیلی مار کر کسی کو روکنا۔ (۲) ہتھیلیوں سے کوئی چیز جمع کرنا۔ ﴿وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ عَنْكَ﴾ (المائدۃ:۱۱۰) ''اور جب میں نے روکا بنواسرائیل کو آپ سے۔''

كَفٌّ (اسم ذات بھی ہے) : ہتھیلی۔ ﴿اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَاۗءِ﴾ (الرعد:۱۴) ''مگر اپنی دونوں ہتھیلیوں کو پھیلانے والے کی مانند پانی کی طرف۔''

كُفَّ /كُفَّ/كُفِّ (فعل امر) : تو روک۔ ﴿كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ (النساء:۷۷) ''تم لوگ روکو اپنے ہاتھوں کو اور قائم کرو نماز۔''

كَافَّةٌ (یہ فَاعِلٌ کے وزن پر اسم الفاعل كَافٌّ ہے اور اس پر تائے مبالغہ ہے جیسے ''عَلَّامَةٌ'' پر ہے) : (۱) بہت زیادہ روکنے والا۔ (۲) بہت زیادہ جمع کرنے والا۔ پھر اس

سے مراد لیتے ہیں: باجماعت' سب کے سب۔ ﴿وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ﴾ (سبا:۲۸) ''اور ہم نے نہیں بھیجا آپؐ کو مگر روکنے والا ہوتے ہوئے لوگوں کے لیے''۔ ﴿وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً﴾ (التوبہ:۳۶) ''اور تم لوگ قتال کرو مشرکوں سے اکٹھے ہو کر۔''

ترکیب: فعل امر ''اُدْخُلُوْا'' کا مفعول ''السِّلْمِ'' ہے جو ''فِیْ'' کے صلہ کی وجہ سے مجرور ہوا ہے' جبکہ ''السِّلْمِ'' کا حال ہونے کی وجہ سے ''كَآفَّةً'' منصوب ہے۔ ''لَا تَتَّبِعُوْا'' فعل نہی کا مفعول مرکب اضافی ''خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ'' ہے' اس لیے اس کا مضاف ''خُطُوٰتِ'' حالتِ نصبی میں ہے۔

ترجمہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ : اے لوگو جو	اٰمَنُوا : ایمان لائے
اُدْخُلُوْا : تم لوگ داخل ہو	فِی السِّلْمِ : اسلام میں
كَآفَّةً : کل کے کل	وَلَا تَتَّبِعُوْا : اور پیروی مت کرو
خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ : شیطان کے نقوشِ قدم کی	اِنَّهٗ : یقیناوہ
لَكُمْ : تم لوگوں کے لیے	عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ : ایک کھلا دشمن ہے

آیت ۲۰۹

﴿فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾

ترکیب: ''اِنْ'' شرطیہ ہے۔ ''زَلَلْتُمْ'' سے ''الْبَيِّنٰتُ'' تک شرط ہے اور ''فَاعْلَمُوْا'' سے آخر تک جوابِ شرط ہے۔ ''جَاءَتْ'' کا مفعول ''كُمْ'' کی ضمیر ہے اور ''الْبَيِّنٰتُ'' اس کا فاعل ہے اور یہ صفت ہے' اس کا موصوف ''الْاٰيٰتُ'' محذوف ہے۔

ترجمہ:

فَاِنْ : پھر اگر	زَلَلْتُمْ : تم لوگوں نے لغزش کھائی
مِّنْۢ بَعْدِ مَا : اس کے بعد کہ جو	جَآءَتْكُمُ : آئیں تمہارے پاس
الْبَيِّنٰتُ : واضح (نشانیاں)	فَاعْلَمُوْٓا : تو جان لو

اَنَّ : کہ	اللّٰہَ : اللہ
عَزِیْزٌ : بالادست ہے	حَکِیْمٌ : دانا ہے

آیت ۲۱۰

﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝﴾

ترکیب : ''اَنْ یَّاْتِیَ'' کا مفعول ''ھُمْ'' کی ضمیر ہے جبکہ ''اللّٰہُ'' اور ''الْمَلٰئِکَۃُ'' اس کے فاعل ہیں۔ ''اَلْغَمَامِ'' اسم جنس ہے۔ اُردو میں یہ مفہوم بادلوں سے ادا ہو گا۔ ''قُضِیَ'' کا نائب فاعل ''الْاَمْرُ'' ہے اور اس پر لام جنس ہے۔ ''تُرْجَعُ'' کا نائب فاعل ''الْاُمُوْرُ'' ہے اور متعلق فعل ''اِلَی اللّٰہِ'' کو تاکید کے لیے مقدم کیا گیا ہے۔

ترجمہ:

هَلْ يَنْظُرُوْنَ : وہ لوگ کیا انتظار کرتے ہیں	اِلَّآ : سوائے اس کے
اَنْ يَّاْتِيَهُمُ : کہ آئے ان کے پاس	اللّٰهُ : اللہ
فِيْ ظُلَلٍ : سائبانوں میں	مِّنَ الْغَمَامِ : بادلوں کے
وَالْمَلٰٓئِكَةُ : اور فرشتے	وَقُضِيَ : اور فیصلہ کیا جائے
الْاَمْرُ : سارے مسئلے کا	وَاِلَى اللّٰهِ : اور اللہ کی طرف ہی
تُرْجَعُ : لوٹائے جائیں گے	الْاُمُوْرُ : تمام مسئلے

نوٹ (۱) : اگر آپ کسی سے پوچھیں کہ تم میوزیم گئے تھے' وہاں تم نے کیا دیکھا اور جواب میں وہ کہے کہ کیا دیکھا سوائے اس کے کہ..... اب نوٹ کریں کہ اس جواب میں حرفِ استفہام ''کیا'' نفی کے معنی دے رہا ہے' اور اس کا مطلب یہ ہے کہ کچھ نہیں دیکھا سوائے اس کے کہ۔ اسی طرح اس آیت میں ''ھَلْ'' بھی نفی کے مفہوم میں آیا ہے' یعنی وہ لوگ کوئی انتظار نہیں کرتے سوائے اس کے کہ۔

نوٹ (۲) : مادہ ''ن ظ ر'' راہ دیکھنے یا انتظار کرنے کے معنی میں عام طور پر باب افتعال سے آتا ہے لیکن کبھی ثلاثی مجرد سے بھی اس مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ یہ آیت اس کی ایک مثال ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی روحانی قوت

مدرس : پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

عَنْ رُکَانَةَ بْنِ عَبْدِ یَزِیْدَ وَکَانَ مِنْ اَشَدِّ النَّاسِ قَالَ: کُنْتُ اَنَا وَالنَّبِیُّ ﷺ فِیْ غُنَیْمَةٍ لِاَبِیْ طَالِبٍ نَرْعَاهَا فِیْ اَوَّلِ مَا رَأَیْ اِذْ قَالَ لِیْ ذَاتَ یَوْمٍ: ((هَلْ لَكَ اَنْ تُصَارِعَنِیْ؟)) قُلْتُ لَهٗ اَنْتَ؟ قَالَ: ((اَنَا)) فَقُلْتُ عَلٰی مَاذَا؟ قَالَ: ((عَلٰی شَاةٍ مِنَ الْغَنَمِ)) فَصَارَعْتُهٗ فَصَرَعَنِیْ فَاَخَذَ مِنِّیْ شَاةً ' ثُمَّ قَالَ لِیْ: ((هَلْ لَكَ فِی الثَّانِیَةِ؟)) قُلْتُ نَعَمْ' فَصَارَعْتُهٗ فَصَرَعَنِیْ فَاَخَذَ مِنِّیْ شَاةً' فَجَعَلْتُ اَلْتَفِتُ هَلْ یَرَانِیْ اِنْسَانٌ' فَقَالَ: ((مَا لَكَ؟)) قُلْتُ لَا یَرَانِیْ بَعْضُ الرُّعَاةِ فَیَجْتَرِءُ وْنَ عَلَیَّ وَاَنَا مِنْ اَشَدِّهِمْ' قَالَ: ((هَلْ لَكَ فِی الصَّرَاعِ الثَّالِثَةِ؟ وَلَكَ شَاةٌ)) قُلْتُ نَعَمْ' فَصَارَعْتُهٗ فَصَرَعَنِیْ وَاَخَذَ مِنِّیْ شَاةً' فَقَعَدْتُ کَئِیْبًا حَزِیْنًا فَقَالَ: ((مَالَكَ؟)) قُلْتُ اِنِّیْ اَرْجِعُ اِلٰی عَبْدِ یَزِیْدَ وَقَدْ اَعْطَیْتُ ثَلَاثًا مِنْ غَنَمِهٖ' وَالثَّانِیَةُ اَنِّیْ کُنْتُ اَظُنُّ اَنِّیْ اَشَدُّ قُرَیْشٍ' فَقَالَ: ((هَلْ لَكَ فِی الرَّابِعَةِ؟)) فَقُلْتُ بَعْدَ ثَلَاثٍ؟ فَقَالَ: ((اَمَّا قَوْلُكَ فِی الْغَنَمِ فَاِنِّیْ اَرُدُّهَا عَلَیْكَ)) فَرَدَّ عَلَیَّ' فَلَمْ یَلْبَثْ اَنْ ظَهَرَ اَمْرُهٗ فَاَتَیْتُهٗ فَاَسْلَمْتُ فَکَانَ مِمَّا هَدَانِیَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اَنِّیْ عَلِمْتُ اَنَّهٗ لَمْ یُصْرِعْنِیْ یَوْمَئِذٍ بِقُوَّتِهٖ وَلَمْ یُصْرِعْنِیْ یَوْمَئِذٍ اِلَّا بِقُوَّةٍ غَیْرِهٖ (رواہ البیھقی)

''رُکانہ بن عبد یزید سے روایت ہے' اور یہ لوگوں میں سب سے قوی مشہور تھے' کہ میں اور آنحضرت ﷺ ابو طالب کی چند بکریوں کو چرا رہے تھے۔ یہ بات آپؐ کی نبوت کے شروع شروع کی ہے۔ ایک دن آپؐ نے مجھ سے فرمایا: ''کیا مجھ سے

کشتی لڑتے ہو؟'' میں نے کہا اچھا کیا آپؐ سے؟ آپؐ نے فرمایا: ''جی ہاں مجھ سے''۔ میں بولا اچھا کیا دو گے؟ آپؐ نے فرمایا: ''جو جیتے اس کی ایک بکری''۔ میں نے آپؐ سے کشتی کی۔ آپؐ نے مجھے زیر کر دیا اور مجھ سے ایک بکری لے لی۔ پھر مجھ سے فرمایا: ''کیا دوبارہ پھر کشتی لڑو گے؟''۔ میں بولا بہت اچھا۔ میں نے پھر آپؐ سے کشتی کی۔ آپؐ نے پھر مجھ کو زیر کر دیا اور ایک بکری مجھ سے اور لے لی۔ اس مرتبہ میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگا کہیں مجھ کو پچھڑتے ہوئے کوئی دیکھ تو نہیں رہا۔ آپؐ نے فرمایا: ''کیا دیکھ رہے ہو؟'' میں نے کہا یہ دیکھ رہا ہوں کہ مبادا مجھ کو کہیں کوئی اور بکریاں چرانے والا دیکھ رہا ہو اور میرے مقابلہ کی اس کو بھی ہمت ہو جائے' کیونکہ میں سب سے زور آور آدمی مشہور ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: ''اچھا تیسری بار پھر لڑتے ہو؟ اور جیتو گے تو ایک بکری ملے گی''۔ میں بولا بہت اچھا۔ میں نے پھر کشتی کی اور آپؐ نے پھر مجھ کو زیر کر دیا اور مجھ سے ایک بکری لے لی۔ اب تو میں غمگین ہو کر بیٹھ گیا۔ آپؐ نے پوچھا: ''غمگین کیوں ہو؟'' میں نے کہا سب سے پہلے تو اس بات پر کہ جب میں عبد یزید کی بکریاں لے کر واپس ہوں گا تو ان میں تین بکریاں جو میں آپؐ کو دے چکا ہوں (وہ کم ہوں گی)۔ دوسری بات یہ ہے کہ مجھ کو یہ بڑا گھمنڈ تھا کہ قریش میں سب سے زیادہ مضبوط آدمی میں ہوں (مگر آج اس کے خلاف نکلا)۔ آپؐ نے فرمایا: ''اچھا چوتھی بار پھر کشتی کرتے ہو؟'' میں نے کہا کیا اب تین بار پٹ جانے کے بعد بھی؟ آپؐ نے فرمایا: ''اچھا لو بکریوں کا معاملہ تو یہ ہے کہ میں تم کو سب واپس کیے دیتا ہوں۔'' چنانچہ آپؐ نے وہ سب واپس کر دیں۔ پھر اس کے متصل ہی آپؐ کی نبوت کا شہرہ ہو گیا۔ اُس وقت میں آپؐ کی خدمت میں آیا اور مشرف باسلام ہو گیا۔ اور میرے اسلام کا باعث یہی بات تھی کہ میں یقین کر چکا تھا کہ آپؐ نے مجھ کو اپنی طاقت سے زیر نہیں کیا' بلکہ ضرور کسی اور دوسری (الٰہی) طاقت سے زیر کیا ہے''۔

رُکانہ کے ساتھ کشتی لڑنے کا یہ واقعہ اوائل نبوت کا ہے۔ اس میں ہمارے لیے بہت سی راہ نمائی موجود ہے۔ اوّل یہ کہ نبوت کے ابتدائی دَور میں آپؐ بدستور بکریاں چراتے تھے۔ اگرچہ اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہ ؓ سے نکاح کو پندرہ سال سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا تھا' بی بی صاحبہ دولت مند خاتون تھیں مگر آپؐ نے اُن کی دولت پر انحصار نہیں کیا' بلکہ اپنے ہاتھ سے روزی کمانے کو ترجیح دی اور اپنے چچا ابوطالب کی بکریاں چراتے رہے۔ یوں روزی

کمانے کے معمولی سمجھے جانے والے کاموں کو آپؐ کے اسوۂ حسنہ سے عظمت ملی۔ آج کسی شخص کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ محنت مزدوری کے کاموں کو حقارت کی نظر سے دیکھے۔ بلکہ اسلامی تعلیمات کی رو سے تو بہترین روزی وہی ہے جو اپنے ہاتھوں سے کمائی جائے۔

رُکانہ قریش کا نامور پہلوان تھا۔ اس کے مقابلے کا طاقتور کوئی دوسرا نہ تھا۔ وہ بھی آپؐ کے ساتھ بکریاں چراتا تھا۔ حالات تو ایسے تھے کہ وہ آپؐ کو چیلنج کرتا مگر کشتی لڑنے کی دعوت آپؐ نے اسے دی۔ اس پر اسے تعجب ہوا کہ مجھ جیسے پہلوان کو یہ چیلنج! چنانچہ وہ آمادہ ہو گیا اور کہا کہ کشتی جیتنے والے کو کیا ملے گا؟ اس پر آپؐ نے فرمایا: ''بکریوں کے گلے میں سے ایک بکری۔'' چنانچہ کشتی ہوئی تو آپؐ نے اسے گرا دیا اور ایک بکری اُس سے لے لی۔ آپؐ نے پھر کہا کہ دوسری بار کشتی کرو گے؟ تو رُکانہ نے کہا ہاں۔ اب دوسری بار کشتی ہوئی تو پھر آپؐ نے اسے گرا دیا اور اُس سے ایک اور بکری لے لی۔ اب تو رُکانہ پریشان ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا کہ کوئی دوسرا انسان اسے کشتی میں مات کھاتے ہوئے دیکھ تو نہیں رہا۔ آپؐ نے پوچھا تجھے کیا ہے کہ اِدھر اُدھر دیکھ رہا ہے؟ رُکانہ نے کہا: یہ دیکھ رہا ہوں کہ چرواہوں میں سے کوئی مجھے دیکھ تو نہیں رہا کہ اُس کو بھی میرے مقابلے کی ہمت ہو جائے' کیونکہ میں تو آج تک سب سے زور آور آدمی مشہور ہوں۔ آپؐ نے فرمایا تیسری بار کشتی کرو گے؟ اگر جیت گئے تو ایک بکری تمہاری۔ رُکانہ نے ہاں کر لی اور کشتی شروع ہو گئی۔ اب کے بھی آپؐ نے رُکانہ کو گرا دیا اور اُس سے ایک بکری لے لی۔ اب تو رُکانہ کا برا حال تھا۔ وہ دل شکستہ اور غمگین ہو کر بیٹھ گیا۔ یہ دیکھا تو آپؐ نے فرمایا: ''رُکانہ! تجھے کیا ہے؟'' رُکانہ نے کہا: پہلی بات تو یہ ہے کہ تین بکریاں میں آپؐ کو دے چکا ہوں' جب واپس جاؤں گا تو گلے کے مالک کو کیا جواب دوں گا؟ دوسرے یہ کہ میں تو اپنے کو قریش کا سب سے طاقتور شخص سمجھتا تھا مگر آج تو میں ایسا نہ رہا۔ آپؐ نے فرمایا: ''اچھا چوتھی بار پھر کشتی کرتے ہو؟'' رُکانہ نے کہا کہ کیا اب تین بار پٹ جانے کے بعد بھی؟

آپؐ نے فرمایا: ''اچھا سنو تینوں بکریاں میں تجھے واپس کیے دیتا ہوں۔'' آپؐ نے تینوں بکریاں اُس کو دے کر اسے مطمئن کر دیا۔ اس واقعے کو زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا آپؐ کی نبوت کی شہرت ہو گئی۔ اس وقت رُکانہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسلام قبول کر لیا۔ حضرت رُکانہؓ کہتے ہیں کہ یہی واقعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک سبب بنا کہ میں اسلام لے آیا' کیونکہ مجھے یقین ہو چکا تھا کہ آپ ﷺ نے مجھے اپنی طاقت سے زیر نہیں کیا بلکہ ضرور کوئی

دوسری طاقت مجھے مغلوب کرنے کا سبب بنی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ایک نامور پہلوان کو چیلنج کرنا ظاہر کرتا ہے کہ آپؐ کو اللہ تعالیٰ کی مدد پر پورا بھروسہ تھا کہ ضرور آپؐ کو کامیابی ہوگی جو رُکانہ کو حیرت میں ڈال دے گی' اور رُکانہ جب سوچے گا تو پھر میری نبوت پر ایمان لے آئے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

جیتنے پر بکریاں وصول کرنا بھی کسی مالی منافع کے لیے نہ تھا' ورنہ آپؐ رکانہ کو بکریاں واپس نہ کرتے' مگر آپؐ نے تو اُس کو پریشان دیکھ کر ہی بکریاں واپس کر دیں' حالانکہ اس نے اس سلسلہ میں آپؐ سے کوئی التجا نہیں کی تھی۔ از خود بکریاں واپس کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ اس عمل سے کسی اچھے نتیجے کی توقع رکھتے تھے جو بالآخر رُکانہ کے اسلام لانے کی صورت میں سامنے آ گیا۔ رُکانہ کو غمگین دیکھ کر آپؐ نے اس کی دلجوئی کی جس میں اُمت کے لیے ایک بہت اچھی مثال ہے۔

اگرچہ شرط لگانا اچھی بات نہیں' مگر اوّل تو یہ نبوت کے ابتدائی دَور کا واقعہ ہے جب ابھی تفصیلی احکام نازل نہیں ہوئے تھے' اور آپؐ تو اللہ کے حکم کے پابند تھے۔ دوسرے یہ شرط تو مثبت نتائج کے لیے تھی نہ کہ مال اکٹھا کرنے کے لیے۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ نے رُکانہ کو بن مانگے اس کی بکریاں واپس کر دیں۔ پھر شرط تو رُکانہ نے لگائی تھی' آپؐ نے صرف قبول کی۔ رُکانہ کو یقین تھا کہ وہ شرط جیت جائے گا اور اسے فائدہ حاصل ہوگا' لیکن وہ اس بات سے بے خبر تھا کہ اُس کا مقابلہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہے۔

پس آپ ﷺ کا نامور پہلوان کو پچھاڑ دینا ایک معجزہ تھا' اسی لیے رُکانہ کو اپنے ہارنے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہ آئی اور اسے اقرار کرنا پڑا کہ اُس کی شکست مدّ مقابل کی جسمانی قوت کے بل پر نہ تھی بلکہ یہ کوئی اور ہی طاقت تھی جس نے اُسے مغلوب کیا۔ چنانچہ جب اسلام کا شہرہ ہوا تو یہی گزرا ہوا واقعہ رُکانہ کی ہدایت کا سبب بن گیا اور اُس نے اسلام قبول کر لیا۔

محترم ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ کے مکمل دورۂ ترجمہ قرآن اور دروس و خطابات کے علاوہ تلاوتِ قرآن' کتب احادیث کے تراجم' میثاق' حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے تازہ اور سابقہ شمارے' اردو و انگریزی کتب' کیسٹس' سی ڈیز اور مطبوعات کی مکمل فہرست ہماری ویب سائٹ www.tanzeem.org پر ملاحظہ کیجیے!

فہمِ قرآن

شاہ ولی اللہؒ کی نظر میں

مرتب: حافظ محبوب احمد خان

فہم قرآن کے ضمن میں بہت سے ادارے مختلف اسلوب کے ساتھ تعلیم و تربیت کا کام کر رہے ہیں۔ کچھ ادارے براہِ راست قرآن فہمی کے لیے چند معاون مضامین پڑھاتے ہیں جبکہ بعض اداروں میں فہم قرآن کے لیے معاون مضامین کا سلسلہ خاصا طویل ہے۔ ہندوستان میں فہم قرآن کے حوالے سے جو شخصیت سب سے نمایاں ہے وہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی ہے جنہوں نے اپنے دور میں ترجمۂ قرآن کے لیے فارسی زبان کو اپنایا اور انتہائی نامساعد حالات میں نتائج سے بے پرواہ ہو کر کلام اللہ کا نہ صرف انتہائی سلیس ترجمہ کیا بلکہ بعض مقامات پر مختصر تشریح بھی لکھ دی۔ اُس وقت کے علماء نے اس پر کافی شور وغل بھی کیا کہ شاہ ولی اللہ نے قرآن پاک کا ترجمہ کر کے ایک بدعت کی بنیاد ڈالی ہے اور یہ سراسر کفر والحاد ہے۔ بات محض زبانی مخالفت تک نہ رہی بلکہ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ شاہ ولی اللہ کو کچھ عرصے کے لئے دہلی کو خیر باد کہہ کر مراد آباد کی راہ لینا پڑی۔

ترجمۂ قرآن کریم کے ضمن میں جو ردِّ عمل اُس وقت معاشرے میں ہوا اس کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اس بات کو پیش نظر رکھا جائے کہ شاہ ولی اللہؒ سے قبل مذہب کے معاملے میں جس قدر بھی تعلیمات عام تھیں ان کا زیادہ تر تعلق منطق، فلسفہ، نحو اور فقہ سے تھا اور عوام کی نظر میں یہی اسلامی تعلیمات تھیں۔ تاہم دینی تعلیمات کے نصاب میں مرکزی حیثیت قرآن و حدیث کو حاصل نہیں تھی، بلکہ ہندوستان میں بادشاہوں اور امراء کی اشیر باد کے ساتھ ماحول ہی ایسا بن گیا تھا کہ قرآن و حدیث پس منظر میں چلے گئے تھے اور دینی تعلیم کا مدار دوسرے علوم پر ہی تھا۔

ترجمۂ قرآن کے ضمن میں ہندوستانی معاشرے کی صورت

اُس زمانے میں عام مسلمان اس غلط فہمی کا شکار تھے کہ محض تلاوتِ قرآن کریم سے قرآن کا حق ادا ہو جاتا ہے[1]۔ یہی وہ اہم سبب تھا جس نے شاہ ولی اللہ دہلویؒ کو قرآن کا فارسی میں ترجمہ کرنے پر آمادہ کیا۔ اس ترجمے کی خوبی یہ ہے کہ اس میں مقدار، تعمیم اور تخصیص عربی کے بالکل مشابہ ہے۔ اگرچہ بعض مقامات پر ناظرین کی آسانی کے لیے اس شرط کو نظر انداز بھی کیا گیا ہے۔

ہندوستان میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا یہ پہلا فارسی ترجمہ ''فتح الرحمٰن'' کے نام سے شائع ہوا۔ تفسیر کے میدان میں اگرچہ ملک العلماء شہاب الدین دولت آبادی، جو شیر شاہ سوری کے استاد تھے، ان کی فارسی زبان میں تفسیر ''بحر مواج'' پہلے سے ہی موجود تھی، لیکن وہ زیادہ تر قرآن کریم کی شرح اور تفسیر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شاہ صاحبؒ کا ترجمہ اپنے حسن و خوبی میں لاثانی ہے، اس کی مختصر تشریح بہت سے فوائد کی حامل ہے اور شارح نے جس نظر اور فکر سے قرآن کو سمجھا ہے یہ ترجمہ اس کا صحیح عکس ہے۔

شاہ صاحبؒ کے افکار کو سامنے رکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ قرآن پاک کی تفاسیر اور شروح کی تعلیم کو قرآن پاک کی تعلیم سے علیحدہ سمجھنا چاہیے۔ مختلف تفاسیر مختلف زمانوں میں حالات کے مطابق لکھی گئی ہیں اور حدیث میں آیا ہے کہ قرآن کریم کے علوم کے خزانے قیامت تک باقی رہیں گے اور ختم نہیں ہوں گے۔

قرآن کے بطریقِ تدبر مطالعے کے لیے شاہ صاحب نے اصولِ تفسیر پر مبنی ایک مختصر اور جامع کتاب ''الفوز الکبیر'' تصنیف کی۔ ان کی یہ فارسی تصنیف اپنا جواب نہیں رکھتی۔

شاہ ولی اللہ اس خیال کے حامی ہیں کہ تفسیری مطالعے کے علاوہ قرآن بغیر کسی تفسیر کے بھی پڑھا جائے اور استاد کو چاہیے کہ وہ شاگرد کو جہاں کہیں کوئی مشکل پیش آئے وہیں اس کا حل سمجھا دے۔ ایسا کرنے سے شاگرد کا حوصلہ بلند ہوگا اور ذہن کھل جائے گا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ پہلے صرف و نحو کے دو تین چھوٹے رسالے جو طالب علم کے ذہن کے مطابق ہوں، پڑھائے جائیں اور اس کے بعد کوئی تاریخی یا اخلاقی کتاب جو عربی زبان میں ہو، پڑھائی جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ جو کچھ لغوی مشکلات ہوں ان سے اس کو مطلع کیا جائے۔

(۱) شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے زمانے کی سوچ اور آج کی سوچ میں کئی سو سال گزرنے کے بعد بھی کوئی فرق واقع نہیں ہوا، بلکہ اب اس غلط فہمی کے ساتھ ساتھ مزید ابہام پیدا ہو گئے ہیں۔

اس طرح جب اُس کو عربی زبان پر قدرت حاصل ہو جائے تو اسے قرآن کریم کا ترجمہ پڑھایا جائے جس میں کسی بھی تفسیر کی ضرورت نہیں۔ البتہ یہ خیال رکھا جائے کہ جہاں قرآن کا مطلب شانِ نزول کے بیان یا نحوی ترکیب بتائے بغیر واضح نہ ہو سکے وہاں بقدر ضرورت بحث کی جائے اور درس قرآن سے فارغ ہونے کے بعد بقدر درس قرآن ''تفسیر جلالین'' پڑھی جائے۔

بغیر تفسیر کے مجرد متن قرآن پڑھانے کی ترویج ہندوستان میں شاہ صاحبؒ کے والد شاہ عبدالرحیمؒ کی ایجاد ہے جس کو شاہ صاحب نے خود رواج دیا اور خوب عام کیا' مگر افسوس کہ درس قرآن کے اس طریقے کو عام مدرسوں میں زندہ نہیں رکھا گیا۔ عام طور پر تفسیر کے درس میں آدمی حق تعالیٰ کے کلام سے ہٹ کر تفسیری تعبیرات میں پھنس جاتا ہے اور اپنی مشکلات حل کرنے میں اس کا اتنا وقت خرچ ہو جاتا ہے کہ قرآنی آیات کی طرف توجہ کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا' جبکہ براہِ راست قرآن کریم کے پڑھانے سے آدمی پر بہت سے عجیب وغریب حقائق کا انکشاف ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحاحِ ستہ کے درس سے پہلے' جس کا نام اُس زمانے میں ''دورۂ حدیث'' ہو گیا تھا' شاہ صاحب قرآن کا دورہ کراتے تھے۔ مگر افسوس ہے کہ کلام پاک کے سمجھنے کے لیے آج کل یہ معیار مقرر کیا گیا ہے کہ طالب علم پہلے صرف ونحو' منطق' علم کلام' معانی اور بدیع وغیرہ میں کمال حاصل کر لے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طالب علم کا سارا وقت ان فنون کے حاصل کرنے میں صرف ہو جاتا ہے اور اس کو قرآن پاک پر غور وفکر کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ یہی حالت آج کل ہمارے عربی مدارس کی ہے کہ وہاں قرآن پاک کی خالص تعلیم دی ہی نہیں جاتی' بلکہ قرآن پاک کی تفسیر کی تعلیم کو قرآن کی تعلیم سمجھا جاتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ شاہ صاحب ایک جگہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کے سمجھنے کے لیے جن مقدمات کی ضرورت ہے ان کو بقدر ضرورت ہی پڑھا جائے اور سمجھا جائے۔ یہ نہیں کہ ان مقدمات کو مستقل درجہ دے دیا جائے۔

یہ عجیب صورت حال ہے کہ تمام مسالک شاہ ولی اللہ سے عقیدت رکھتے ہیں اور ان کو اپنا امام مانتے ہیں مگر فہم قرآن کے ضمن میں ان کی رائے کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ فہم قرآن کے ضمن میں عام مسلمانوں کو بہت سے مغالطے لاحق رہتے ہیں۔ انہی میں کہیں چودہ علوم کا مغالطہ ہے تو کہیں ''قرآن بہت مشکل ہے'' کا فلسفہ ہے۔ آیئے ایک جھلک شاہ ولی اللہؒ کے پوتے حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کے دور میں فہم قرآن کے ضمن میں لاحق مغالطوں کی دیکھتے

ہیں، جن کو انہوں نے اپنی کتاب ''تقویۃ الایمان'' میں یوں بیان کیا ہے:

''اور یہ جو عوام الناس میں مشہور ہے کہ اللہ و رسول کا کلام سمجھنا بہت مشکل ہے، اس کو بڑا علم چاہئے، ہم کو وہ طاقت کہاں کہ اُن کا کلام سمجھیں، اور اس راہ پر چلنا بڑے بزرگوں کا کام ہے، سو ہماری کیا طاقت کہ اس کے موافق چلیں، بلکہ ہم کو یہی باتیں کفایت کرتی ہیں، سو یہ بات بہت غلط ہے۔ اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ قرآن مجید میں باتیں بہت صاف و صریح ہیں، ان کا سمجھنا مشکل نہیں۔ چنانچہ سورۃ البقرۃ میں فرمایا:

﴿وَلَقَدْ اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ۝﴾

''اور بے شک اتاریں ہم نے تیری طرف باتیں کھلی، اور منکر ان سے وہی ہوتے ہیں جو بے حکم (نافرمان لوگ) ہیں''۔

یعنی ان باتوں کا سمجھنا کچھ مشکل نہیں، بلکہ ان پر چلنا مشکل ہے، اس واسطے کہ نفس کو حکم برداری کسی کی بری لگتی ہے۔ سو اس لیے جو لوگ بے حکم ہیں وہ ان سے انکار کرتے ہیں۔ اور اللہ و رسول کا کلام سمجھنے کے لیے بہت علم نہیں چاہئے، کیونکہ پیغمبر تو نادانوں کے راہ بتانے اور جاہلوں کو سمجھانے اور بے علموں کے علم سکھانے کو آئے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الجمعہ میں فرمایا ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝﴾

''اور اللہ وہ ہے کہ جس نے کھڑا کیا نادانوں میں ایک رسول ان میں سے کہ پڑھتا ہے اُن پر اُس کی آیتیں اور پاک کرتا ہے اُن کو اور سکھاتا ہے ان کو کتاب اور عقل کی باتیں، اور بے شک تھے وہ پہلے سے صریح گمراہی میں۔''

یعنی یہ اللہ کی بڑی نعمت ہے کہ اس نے ایسا رسول بھیجا کہ اس نے بے خبروں کو خبردار کیا اور ناپاکوں کو پاک اور جاہلوں کو عالم اور احمقوں کو عقلمند اور راہ بھٹکے ہوؤں کو سیدھی راہ پر۔ سو جو کوئی یہ آیت سن کر پھر یہ کہنے لگے کہ پیغمبر کی بات سوائے عالموں کے کوئی سمجھ نہیں سکتا اور ان کی راہ پر سوائے بزرگوں کے کوئی چل نہیں سکتا سو اُس نے اس آیت کا انکار کیا ہے اور اس نعمت کی قدر نہ سمجھی۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ جاہل لوگ ان کا کلام سمجھ کر عالم ہو جاتے ہیں اور گمراہ لوگ ان کی راہ چل کر بزرگ بن جاتے ہیں۔ اس بات کی مثال یہ ہے کہ جیسے ایک بڑا حکیم ہو اور ایک بہت بیمار، پھر کوئی شخص

اس بیمار سے کہے کہ فلانے حکیم کے پاس جا اور اس کا علاج کرا' اور وہ بیمار یہ جواب دے کہ اس کے پاس جانا اور اس سے علاج کرانا تو بڑے بڑے تندرستوں کا کام ہے' مجھ سے کیونکر یہ ہوسکتا ہے' کیونکہ میں سخت بیمار ہوں' سو وہ بیمار احمق ہے اور اس حکیم کی حکمت کا انکار کر رہا ہے' اس واسطے کہ حکیم تو بیماروں ہی کے علاج کے واسطے ہے۔ جو تندرستوں ہی کا علاج کرے اور انہیں اس کی دوا سے فائدہ ہو اور بیماروں کو کچھ فائدہ نہ ہو تو وہ حکیم کاہے کا! غرض جو کوئی بہت جاہل ہے اس کو اللہ و رسول کا کلام سمجھنے میں زیادہ رغبت چاہیے اور جو بہت گنہگار ہو اُس کو اللہ و رسول کی راہ چلنے میں زیادہ کوشش چاہیے۔ سو یہ ہر خاص و عام کو چاہیے کہ اللہ و رسول ہی کے کلام کو تحقیق کریں اور اسی کو سمجھیں اور اسی پر چلیں اور اسی کے موافق اپنے ایمان کو ٹھیک کریں۔''

اس وقت فہم قرآن کے ضمن میں مختلف نصابات کے ذریعے تعلیم دی جا رہی ہے۔ اگرچہ عوام کی صورت حال کم و بیش وہی ہے جو آج سے چار پانچ صدیوں قبل تھی مگر امید رکھنی چاہیے کہ آہستہ آہستہ قرآن کریم کے ضمن میں عوام میں پھیلے ہوئے باطل نظریات ختم ہو جائیں گے اور وہ بوجھ جو فہم قرآن کے ضمن میں مذہبی طبقات نے اپنی گردنوں پر ڈالا ہوا ہے' کم ہوتا چلا جائے گا اور معاشرے میں قرآن کی روشنی پھیلتی چلی جائے گی۔ ہمارے معاشرے میں ایسی بہت سی شخصیات اور ادارے تیزی سے وجود میں آ رہے ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم کا فہم عام ہونے کی صورت میں نہ صرف فرقہ واریت کا خاتمہ ہوگا بلکہ جس تنگ نظری اور شدت پسندی کے باعث آج ہم دنیا میں ذلیل و رسوا ہو رہے ہیں وہ بھی ختم ہو جائے گی۔

مآخذ و مصادر

۱) ہندوستان میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم و تربیت' از مولانا مناظر احسن گیلانی
۲) حیاتِ ولی' حاشیہ
۳) الہام الرحمٰن' مولانا عبید اللہ سندھی
۴) ملفوظات شاہ عبدالعزیز
۵) قرآن پاک کا مطالعہ کیسے کیا جائے' مولانا عبید اللہ سندھی

چہرے کا پردہ

واجب، مستحب یا بدعت؟ (۷)

تحریر: حافظ محمد زبیر

(گزشتہ سے پیوستہ)

حنابلہ اور چہرے کا پردہ

متقدمین ومتاخرین حنابلہ کے نزدیک عورت کا چہرہ ستر میں داخل ہے۔ امام احمد سے اگرچہ اس بارے میں دو اقوال مروی ہیں' ایک یہ کہ عورت کا چہرہ ستر میں داخل ہے اور دوسرا یہ کہ عورت کا چہرہ ستر میں داخل نہیں ہے' البتہ فقہ حنبلی سے تعلق رکھنے والے جلیل القدر ائمہ نے پہلے قول کو اختیار کیا ہے اور اسی کو امام احمد کی طرف منسوب کیا ہے۔ دوسرے قول کے بارے میں ان کا کہنا یہ ہے کہ امام احمد کا یہ قول عورت کے اس ستر کے بارے میں ہے جو کہ وہ نماز میں اختیار کرے گی۔

نماز سے باہر عورت کا ستر

امام احمد نماز سے باہر عورت کے سارے جسم کو ستر میں شمار کرتے ہیں۔

۱) امام ابوبکر الخلال فرماتے ہیں:

أ) اخبرنی منصور بن الولید :ان جعفر بن محمد حدثهم قال سمعت ابا عبد الله یقول کل شی ء من المرأة عورة حتی ظفرها (۱۸۷)

''مجھے منصور بن ولید نے خبر دی کہ جعفر بن محمد نے ان سے بیان کیا کہ میں نے ابوعبداللہ سے سنا' آپ کہتے ہیں کہ عورت کی ہر چیز ستر ہے' یہاں تک کہ اس کے ناخن بھی ستر میں داخل ہیں''۔

ب) أخبرنی حرب بن اسماعیل قال قیل لاحمد الرجل یکون فی السوق یبیع

ویشتری فتأتیه المرأة تشتری منه فیری کفها ونحوذلك فکره ذلك وقال کل شی ء من المرأة عورة قیل له فالوجه؟ قال اذا کانت شابة تشتهی فانی اکره ذلك وان کانت عجوز اوجزت (۱۸۸)

''مجھے اسماعیل بن حرب نے خبر دی کہ امام احمد سے سوال کیا گیا کہ آدمی بعض اوقات بازار میں ہوتا ہے' خرید وفروخت کرتا ہے' اس کے پاس عورت بھی آتی ہے جو کہ اس سے مختلف چیزیں خریدتی ہے' وہ مرد اس کی ہتھیلی اور اس طرح جسم کے دوسرے اعضاء بھی دیکھتا ہے۔ امام احمد نے اس بات کو ناپسند کیا اور کہا کہ عورت کا سارا جسم ستر میں داخل ہے۔ آپ سے دوبارہ سوال ہوا کہ چہرے کا کیا حکم ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ جب عورت نوجوان ہو اور اسے دیکھ کر شہوت کے جذبات پیدا ہوتے ہوں تو میں اسے بھی ناپسند کرتا ہوں' اور اگر عورت بوڑھی ہے تو میرے نزدیک جائز ہے''۔

۲) علامہ ابن تیمیہ مجموع الفتاویٰ میں ''وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

فقیل یجوز النظر لغیر شهوة الی وجهها ویدیها وهو مذهب ابی حنیفة والشافعی وقول فی مذهب احمد وقیل لا یجوز وهو ظاهر مذهب احمد فان کل شی ء منها عورة حتی ظفرها وهو قول مالك (۱۸۹)

''ایک قول تو یہ ہے کہ عورت کے چہرے اور دونوں ہاتھوں کی طرف بغیر شہوت کے دیکھنا جائز ہے' یہ مسلک امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا ہے۔ امام احمد سے بھی ایسا ایک قول مروی ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ جائز نہیں ہے۔ یہی امام احمد کا مشہور مسلک ہے' کیونکہ عورت کا سارا جسم ستر ہے' یہاں تک کہ اس کے ناخن بھی۔ امام مالک کی بھی رائے یہی ہے۔''

۳) علامہ ابن جوزی آیۂ مبارکہ ''وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وقد نص علیه احمد فقال الزینة الظاهرة الثیاب وکل شی ء منها عورة حتی الظفر ویفید هذا تحریم النظر الی شی ء من الاجنبیات لغیر عذر فان کان لعذر مثل ان یرید ان یتزوجها او یشهد علیها فانه ینظر فی الحالین الی وجهها خاصة فاما النظر الیها لغیر عذر فلا یجوز لا لشهوة

ولا لغیرھا وسواء فی ذلك الوجه والكفان وغیرھما من البدن (۱۹۰)

''امام احمد نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ زینت ظاہرہ سے مراد کپڑے ہیں اور عورت کا سارا جسم ستر ہے' یہاں تک کہ اس کے ناخن بھی ستر میں داخل ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اجنبی عورت کی طرف بغیر عذر کے دیکھنا حرام ہے۔ اگر یہ عذر کے ساتھ ہو' مثلاً شادی یا گواہی کی غرض سے دیکھنا' تو ایسی صورت میں صرف عورت کے چہرے کی طرف دیکھنا جائز ہے۔ لیکن بغیر عذر کے عورت کے چہرے کو شہوت یا بغیر شہوت کے دیکھنا جائز نہیں ہے اور اس مسئلے میں چہرہ' دونوں ہاتھ اور جسم کے باقی اعضاء سب کا ایک ہی حکم ہے۔''

۴)امام بہوتی فرماتے ہیں:

(والوجه) من الحرة البالغة (عورة خارجھا) ای الصلاة (باعتبار النظر كبقية بدنھا) (۱۹۱)

''اور بالغ آزاد عورت کا چہرہ بھی نماز سے باہر دیکھنے کے اعتبار سے ستر میں داخل ہے جیسا کہ اس کے باقی سارے بدن کا حکم ہے''۔

۵)علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

﴿قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ﴾

دلیل علی ان الحجاب انما امر به الحرائر دون الاماء (۱۹۲)

''آیت ﴿قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ﴾ اس بات کی دلیل ہے کہ حجاب کا حکم آزاد عورتوں کے لیے تھا' جبکہ لونڈیوں کے لیے یہ حکم نہ تھا۔''

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

وثبت فی الصحیح ان المرأة المحرمة تنھی عن الانتقاب والقفازین وھذا مما یدل علی ان النقاب والقفازین كانا معروفین فی النساء اللاتی لم یحرمن وذلك یقتضی ستر وجوھھن وایدیھن (۱۹۳)

''اور صحیح حدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ حالت احرام میں عورت کو نقاب پہننے اور دستانے پہننے سے منع کیا گیا ہے اور یہ بات اس چیز پر دلالت کرتی ہے کہ نقاب اور دستانے پہننا اللہ کے رسول ﷺ کے زمانے میں ان عورتوں میں معروف تھا جو کہ

حالتِ احرام میں نہ ہوتی تھیں' اور یہ چیز اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ وہ اپنے چہروں اور ہاتھوں کو ڈھانپ کر رکھیں''۔

ایک اور جگہ'' يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وقد حكى ابوعبيدة وغيره انها تدنى من فوق رأسها فلا تظهر الا بعينها ومن جنسه النقاب فكن النساء ينتقبن وفى الصحيح ان المحرمة لا تنتقب ولا تلبس القفازين فاذا كن مأمورات بالجلباب لئلا يعرفن وهو ستر الوجه اوستر الوجه بالنقاب كان الوجه واليدان من الزينة التى امرت الا تظهرها للأجانب (۱۹٤)

''ابوعبیدہ وغیرہم نے بیان کیا ہے کہ عورت اپنے جلباب (چادر) کو اپنے سر سے لٹکائے گی اور اپنی ایک آنکھ کے علاوہ اپنے جسم کا کوئی حصہ ظاہر نہ کرے گی اور اس کی جنس میں نقاب بھی شامل ہے۔ آپؐ کے زمانے میں عورتیں نقاب کرتی تھیں' کیونکہ صحیح حدیث میں ہے کہ حالت احرام میں عورت نقاب نہ کرے اور نہ ہی دستانے پہنے' جیسا کہ عورتوں کو جلباب کا حکم اس لیے دیا گیا کہ وہ پہچانی نہ جائیں تو اس سے مراد چہرے کا چھپانا ہے' یعنی نقاب سے چہرے کا چھپانا' یہی وجہ ہے کہ چہرہ اور دونوں ہاتھ اس زینت میں شامل ہیں کہ جس کو اجنبی مردوں کے سامنے عورت کو چھپانے کا حکم دیا گیا۔''

البتہ یہ فقہاء ضرورت کے تحت عورت کو چہرہ کھولنے کی اجازت دیتے ہیں۔

۶) صالح بن فوزان لکھتے ہیں:

والمرأة كلها عورة لقوله صلى الله عليه وسلم والمرأة عورة رواه الترمذى ..... هذه النصوص وماجاء بمعناها من الكتاب والسنة وهى كثيرة شهيرة تدل على ان المرأة كلها عورة امام الرجال الاجانب لا يجوز ان يظهر من بدنها شى ء بحضرتهم فى الصلاة وغيرها اما اذا صلت فى مكان خال من الرجال الاجانب فانها تكشف وجهها فى الصلاة فهو ليس بعورة فى الصلاة(۱۹۵)

''اور عورت کا سارا جسم ستر ہے' اس کی دلیل ترمذی کی روایت ہے کہ عورت کا سارا جسم ستر ہے..... یہ اور اسی طرح کی دوسری نصوص سے جو کہ کثرت سے قرآن وسنت

میں وارد ہوئی ہیں' اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اجنبی مردوں کے سامنے عورت کا سارا جسم ستر ہے۔ نماز کی حالت ہو یا غیر نماز کی دونوں صورتوں میں عورت کے جسم کا کوئی حصہ مردوں کے سامنے ظاہر نہیں ہونا چاہیے۔ ہاں اگر عورت کسی ایسی جگہ نماز پڑھ رہی ہو جہاں اجنبی مرد نہ ہوں تو وہ نماز میں اپنا چہرہ کھول سکتی ہے' کیونکہ نماز میں عورت کا چہرہ ستر میں شامل نہیں ہے۔''

نماز میں عورت کا ستر

حنابلہ کے نزدیک نماز میں چہرہ عورت کے ستر میں داخل نہیں ہے۔ جمہور حنابلہ نے امام احمد کے چہرے کے ستر میں داخل نہ ہونے والے قول کی یہی تشریح کی ہے کہ امام احمد نے اپنے اس قول میں اس ستر کو بیان کیا ہے جو کہ عورت نماز کی حالت میں اختیار کرے گی۔

۱) امام بہوتی فرماتے ہیں:

و (کل الحرة) البالغة (عورة الا وجهها) فليس عورة فی الصلاة(۱۹۶)

''اور ہر بالغ آزاد عورت کا سارا جسم' سوائے چہرے کے' ستر میں داخل ہے' چہرہ نماز کی حالت میں عورت کا ستر نہیں ہے''۔

۲) علامہ ابن مفلح حنبلی لکھتے ہیں:

(والحرة) البالغة (کلها عورة) حتٰی ظفرها نص علیه ذکر ابن هبیرة انه المشهور ..... (الا الوجه) لا خلاف فی المذهب انه یجوز للمرأة الحرة کشف وجهها فی الصلاة ذکره فی المغنی وغیره وقد أطلق أحمد القول بان جمیعها عورة وهو محمول علی ما عدا الوجه أو علی غیر الصلاة (۱۹۷)

''آزاد عورت تمام کی تمام ستر میں داخل ہے یہاں تک کہ اس کے ناخن بھی' ابن ہبیرہ نے اس رائے کو مشہور کہا ہے ..... سوائے چہرے کے۔ اور امام احمد کے مذہب میں اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ عورت کے لیے نماز کی حالت میں اپنا چہرہ کھلا رکھنا جائز ہے' جیسا کہ مغنی وغیرہ میں موجود ہے۔ اور امام احمد سے مطلقاً یہ قول بھی روایت کیا گیا ہے کہ عورت کا سارا جسم ستر ہے۔ اس قول سے مراد یا تو چہرے کے علاوہ سارا جسم ہے یا پھر یہاں نماز سے باہر کی حالت کا ذکر ہو رہا ہے''۔

۳) علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

قد ثبت بالنص والاجماع انه ليس عليها فى الصلاة ان تلبس الجلباب الذى يسترها اذا كانت فى بيتها وانما ذلك اذا خرجت وحينئذ فتصلى فى بيتها وان لوى وجهها ويداها وقدماها كما كن يمشين اوّلا قبل الامر بادناء الجلابيب عليهن فليست العورة فى الصلاة مرتبطة بعورة النظر (۱۹۸)

''نص صریح اور اجماع سے یہ بات ثابت ہے کہ نماز میں عورت کے لیے یہ لازم نہیں ہے کہ وہ نماز پڑھتے وقت گھر میں جلباب اس طرح اوڑھے کہ اپنے آپ کو چھپا لے۔ جلباب کا حکم تو اُس وقت ہے جبکہ وہ گھر سے باہر نکلے گی۔ پس وہ گھر ہی میں نماز پڑھے گی چاہے اس کا چہرہ' دونوں ہاتھ یا پاؤں ظاہر کیوں نہ ہوں' جیسا کہ عورتیں اپنے اوپر جلباب کے لٹکانے کے حکم کے نزول سے پہلے (گھر سے باہر) چلتی تھیں۔ پس نماز کا ستر اور نظر کا ستر ایک نہیں ہے۔''

۴) الشیخ مرعی بن یوسف المقدسی الحنبلی لکھتے ہیں:

والحرة البالغة كلها عورة فى الصلاة الاوجهها (۱۹۹)

''اور نماز میں بالغ عورت کا سارا جسم سوائے چہرے کے ستر ہے''۔

۵) علامہ ابن ضویانی حنبلی لکھتے ہیں:

والحرة البالغة كلها عورة فى الصلاة الاوجهها لما تقدم ولحديث المرأة عورة رواه الترمذى (۲۰۰)

''اور نماز میں بالغ عورت کا سارا جسم سوائے چہرے کے ستر ہے' جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اور اس کی دلیل ترمذی کی یہ روایت ہے کہ عورت کا سارا جسم ستر ہے''۔

۶) سلیمان بن عبداللہ ابا الخیل اور خالد بن علی المشیقح لکھتے ہیں:

فالعورة فى الصلاة على المشهور من مذهب الحنابلة تقسم الى ثلاثة اقسام: مغلظة ومخففة ومتوسطة ..... والمغلظة عورة الحرة البالغة فكلها عورة الا وجهها فانه ليس عورة فى الصلاة وان كان عورة فى النظر (۲۰۱)

''حنابلہ کے مشہور مذہب کے مطابق نماز میں ستر کی تین قسمیں ہیں: مغلظہ' مخففہ اور متوسطہ..... مغلظہ آزاد بالغ عورت کا ستر ہے۔ پس اس کا ستر سارا جسم ہے سوائے

چہرے کے' کیونکہ عورت کا چہرہ نماز میں ستر نہیں ہے اگرچہ دیکھنے کے اعتبار سے ستر ہے''۔

خلاصۂ کلام یہ کہ امام احمد سے عورت کے ستر کے بارے میں دو روایات مروی ہیں' ایک یہ ہے کہ عورت کا چہرہ حتیٰ کہ اس کے ناخن بھی ستر میں داخل ہیں۔ دوسرا قول یہ کہ عورت کا چہرہ ستر میں داخل نہیں ہے۔ دونوں اقوال میں تطبیق یہ ہے کہ پہلا قول عورت کے اس ستر کے بارے میں ہے جو کہ وہ اجنبی مرد کے سامنے اختیار کرے گی' جبکہ دوسرا قول نماز میں عورت کے ستر کے بارے میں ہے۔ حنابلہ کی بھی یہی رائے ہے' جیسا کہ مذکورہ بالا اقوال سے ظاہر ہو رہا ہے۔ دورِ حاضر کے سعودی علماء کا بھی یہی فتویٰ ہے۔

شوافع اور چہرے کا پردہ

چہرے کے پردے کے بارے میں شوافع کا مسلک تقریباً وہی ہے جو کہ مالکیہ کا ہے۔ بعض شوافع یہ کہتے ہیں کہ چہرہ عورت کے ستر میں داخل نہیں ہے۔ امام شافعی سے بھی یہی قول مروی ہے' لیکن وہ فتنے کی وجہ سے عورت کے لیے اپنے چہرے کو چھپانا لازم قرار دیتے ہیں۔ البتہ جمہور شوافع کے نزدیک چہرہ عورت کے ستر میں داخل ہے اور چہرے کے چھپانے کا فتنے کے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی تعلق نہیں ہے' بلکہ عورت ہر حال میں اپنا چہرہ اجنبی مردوں سے چھپا کر رکھے گی۔

چہرے کے پردے کا وجوب فتنے کے سبب سے

بعض شوافع عورت کے چہرے کو ستر میں شمار نہیں کرتے لیکن فتنے کی وجہ سے چہرے کے پردے کو لازم قرار دیتے ہیں۔

۱) امام تقی الدین الحسنی الشافعی فرماتے ہیں:

ویکرہ ان یصلی فی ثوب فیہ صورۃ وتمثیل والمرأۃ منتقبۃ الا ان تکون فی مسجد وھناك اجانب لا یحترزون عن النظر فان خیف من النظر الیھا یجر الی الفساد حرم علیھا رفع النقاب وھذا کثیر فی مواضع الزیارۃ کبیت المقدس (۲۰۲)

''ایسے کپڑے میں نماز پڑھنا جس میں تصاویر ہوں' مکروہ ہے' اسی طرح عورت کا

نقاب پہن کر نماز پڑھنا بھی مکروہ ہے' سوائے اس کے کہ عورت کسی مسجد میں ہو اور وہاں کچھ اجنبی بھی ہوں جو کہ بدنظری سے احتیاط نہ کرتے ہوں۔ اگر ایسے حالات میں عورت کی طرف دیکھنے سے اس بات کا اندیشہ موجود ہو کہ فساد پھیلے گا تو عورت کے لیے نماز کی حالت میں بھی نقاب اتارنا حرام ہوگا۔ اور ایسا ماحول عام طور پر زیارت کے مقامات مثلاً بیت المقدس وغیرہ میں پایا جاتا ہے''۔

۲) امام شافعی حالت احرام میں عورت کے چہرے کے پردے کے بارے میں لکھتے ہیں:

ویکون للمرأة اذا کانت بارزة تريد الستر من الناس تدنی جلبابها او بعض خمارها او غير ذلك من ثيابها من فوق رأسها وتجافيه عن وجهها حتی تغطی وجهها متجافيا كالستر علی وجهها ولا يكون لها ان تنتقب اخبرنا سعيد بن سالم عن ابن جريج عن عطاء عن ابن عباس قال تدلی عليها من جلبابها ولا تضرب به ..... اخبرنا سعيد بن سالم عن ابن جريج عن ابن طاؤس عن ابيه قال تسدل المرأة المحرمة ثوبها علی وجهها ولا تنتقب(۲۰۳)

''اور جب عورت (حالتِ احرام میں) باہر ہوگی اور لوگوں سے پردہ کرنا چاہے گی تو اپنی چادر یا اس کا بعض حصہ یا اس کے علاوہ اپنے کپڑوں کا کوئی حصہ اپنے سر پر ڈال دے گی اور اسے اپنے چہرے سے الگ رکھے گی اور اپنے چہرے کو اس طرح ڈھانپے گی کہ کپڑا جسم سے الگ رہے' جیسا کہ چہرے کے آگے کوئی پردہ ڈال دیا جائے۔ اور اس کے لیے نقاب کرنا جائز نہیں ہے۔ (اس کے بعد اس موقف کے ثبوت کے لیے امام شافعی نے دو روایات بیان کی ہیں) ہمیں سعید بن سالم نے خبر دی' وہ ابن جریج سے' وہ عطاء سے' وہ ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ عورت اپنے اوپر اپنی چادر کو لٹکا لے گی اور اس کو لپیٹے گی نہیں..... ہمیں سعید بن سالم نے خبر دی' وہ ابن جریج سے' وہ ابن طاؤس سے اور وہ اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا حالت احرام میں عورت اپنے کپڑے کو اپنے چہرے پر لٹکائے گی اور نقاب نہیں پہنے گی۔''

۳) الشیخ عبدالحمید الشروانی میت عورت کے کفن کی بحث کے بارے میں لکھتے ہیں:

فيجب علی المرأة ما يستر بدنها الا وجهها وكفيها حرة كانت او أمة

ووجوب سترهما فی الحیاة لیس لکونهما عورة بل لکون النظر الیهما یوقع فی الفتنة غالبا(۲۰۴)

''عورت کے (کفن کے لیے) اتنا کپڑا ہونا ضروری ہے جو کہ اس کے جسم کو چھپا لے سوائے چہرے اور دونوں ہاتھوں کے' چاہے وہ عورت آزاد ہو یا لونڈی ہو۔ اور زندگی میں چہرے اور دونوں ہاتھوں کا ڈھانپنا اس وجہ سے واجب نہیں ہے کہ یہ عورت کا ستر ہیں' بلکہ اس لیے ان کو ڈھانپنا واجب ہے کہ اکثر اوقات ان کی طرف نظر فتنے کا باعث بنتی ہے''۔

۴) الشیخ احمد بن قاسم العبادی میتِ عورت کے کفن کے بارے میں بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فیجب ما ستر من الأنثی ولو رقیقة ما عدا الوجه والکفین۔ ووجوب سترهما فی الحیاة لیس لکونهما عورة بل لخوف الفتنة غالبا(۲۰۵)

''عورت کے لیے اتنا کپڑا ضروری ہے جو کہ اس کے جسم کو ڈھانپ دے سوائے چہرے اور دونوں ہاتھوں کے' چاہے وہ عورت لونڈی ہی کیوں نہ ہو۔ اور زندگی میں چہرے اور دونوں ہاتھوں کا ڈھانپنا اس لیے واجب نہیں کہ یہ ستر ہے' بلکہ یہ اس لیے واجب ہے کہ اکثر اوقات اس سے فتنے کا ڈر رہتا ہے''۔

چہرے کے پردے کا وجوب ستر کے سبب سے

جمہور شوافع کے نزدیک عورت کا چہرہ ستر میں داخل ہے' لہٰذا عورت کے لیے اجنبی مردوں سے اپنے چہرے کو چھپانا واجب ہے۔

۱) علامہ عبدالرحمٰن محمود مضای فرماتے ہیں:

لها اربع عورات فی الصلاة جمیع بدنها سوی الوجه والکفین الی الکوعین وبالنسبة للرجال الاجانب جمیع بدنها(۲۰۶)

''عورت کے چار ستر ہیں۔ نماز میں اس کا تمام جسم ستر ہے سوائے چہرے اور دونوں ہاتھوں کے' اور اجنبی مردوں کے سامنے عورت کا سارا جسم ستر ہے''۔

۲) علامہ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں کئی جگہ چہرے کے پردے کا اثبات کیا ہے اور چہرے کو عورت کے ستر میں شمار کیا ہے۔ ابن حجر بخاری کی ایک روایت کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وفيه وجوب احتجاب المرأة من الرجال الأجانب(۲۰۷)

''یہ حدیث اس بات کی بھی دلیل ہے کہ عورتوں کے لیے اجنبی مردوں سے پردہ کرنا واجب ہے''۔

ایک اور جگہ ایک روایت کی شرح میں لکھتے ہیں:

فاختمرن اى غطين وجوههن(۲۰۸)

''فاختمرن کا مطلب یہ ہے کہ عورتیں اپنے چہروں کو ڈھانپ لیں''۔

۳)امام غزالی لکھتے ہیں:

لسنا نقول ان وجه الرجل فى حقها عورة كوجه المرأة فى حقه(۲۰۹)

''ہم یہ نہیں کہتے کہ مرد کا چہرہ بھی عورت کے لیے اسی طرح ستر ہے جیسا کہ عورت کا چہرہ مرد کے لیے ستر ہے''۔

۴)امام محمد نووی بن عمر التناری لکھتے ہیں:

والحرة لها اربع عورات ..... ورابعها جميع بدنها حتى قلامة ظفرها وهى عورتها عند الرجال الاجانب فيحرم على الرجل الاجنبى النظر الى شىء من ذلك ويجب على المرأة ستر ذلك عنه(۲۱۰)

''اور آزاد عورت کے لیے چار ستر ہیں..... چوتھی قسم یہ ہے کہ عورت کا سارا جسم ستر ہے' یہاں تک کہ اس کے ناخن کے تراشے بھی۔ یہ عورت کا وہ ستر ہے جو کہ اجنبی مردوں کے سامنے ہے۔ اجنبی مرد کے لیے عورت کے جسم کے کسی حصے کی طرف دیکھنا حرام ہے اور عورت کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ اپنے سارے جسم کو ڈھانپ کر رکھے''۔

۵)الشیخ سلیمان البجیرمی لکھتے ہیں:

(وعورة الحرة) اى فى الصلاة اما عورتها خارج الصلاة بالنسبة لنظر الاجنبى اليها فهى جميع بدنها حتى الوجه والكفين ولو عند امن الفتنة ولو رقيقة فيحرم على الاجنبى ان ينظر الى شئ من بدنها ولو قلامة ظفر منفصلا منها(۲۱۱)

''اور آزاد عورت کا نماز میں ستر۔ نماز سے باہر اجنبی مرد کے سامنے عورت کا سارا جسم ستر ہے۔ چہرہ اور دونوں ہاتھ بھی اس میں شامل ہیں (عورت اپنے چہرے اور دونوں ہاتھوں کو چھپائے گی) چاہے فتنے کا ڈر نہ بھی ہو۔ یا کسی آزاد عورت کو غلام بنا لیا گیا ہو

(پھر بھی اس کا ستر یہی ہے) پس اجنبی کے لیے حرام ہے کہ وہ اس کے بدن کے کسی حصے کو دیکھے چاہے یہ ایسے ناخن کا تراشا ہی کیوں نہ ہو جو کہ جسم سے جدا ہو گیا ہو''۔

خلاصۂ کلام یہ کہ شوافع کا موقف مالکیہ سے ملتا جلتا ہے۔ بعض شوافع عورت کے چہرے کو ستر میں داخل کرتے ہیں اور نصاً چہرے کے پردے کے قائل ہیں۔ جبکہ بعض شوافع عورت کے چہرے کو ستر میں داخل نہیں کرتے لیکن سدًا للذریعة یعنی فتنے کے خوف سے چہرے کے پردے کے وجوب کے قائل ہیں۔

چہرے کے پردے پر تمام مسلمان علماء کا اتفاق

چہرے کے پردے کے بارے میں فقہاء کے حوالے سے ہم نے جو بحث کی ہے اس کا خلاصہ یہی ہے کہ بعض فقہاء کے نزدیک اجنبی یا نامحرم کے سامنے چہرے کا پردہ فتنے کی وجہ سے واجب ہوگا (یہ فقہاء ضرورت کے تحت عورت کو چہرہ کھولنے کی اجازت دیتے ہیں) اور بعض کے نزدیک فتنے کا اندیشہ ہو یا نہ ہو دونوں صورتوں میں عورت کے لیے چہرے کا پردہ واجب ہوگا۔ ان دونوں نتائج کو اگر ملایا جائے تو ایک نتیجہ یہ بھی نکلتا ہے کہ تمام فقہاء کے نزدیک' سوائے قاضی عیاض کے' فتنے کی موجودگی میں چہرے کا پردہ لازم ہے۔ یہی وہ نتیجہ ہے جسے بعض جلیل القدر علماء نے اپنی تصنیفات میں بیان کیا ہے۔ ان میں سے چند علماء کی عبارات ہم نقل کیے دیتے ہیں:

۱) علامہ شمس الحق عظیم آبادی آیت ''اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا'' اور ''حدیث اسماء'' کی تشریح میں فرماتے ہیں:

اما عند خوف الفتنة فظاهر اطلاق الآية والحديث عدم اشتراط الحاجة ويدل على تقييده بالحاجة اتفاق المسلمين على منع النساء ان يخرجن سافرات لا سيما عند كثرة الفساق قاله ابن ارسلان(۲۱۲)

''جہاں تک فتنے کے ڈر کا تعلق ہے تو ظاہر آیت اور حدیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت کی شرط نہ لگائی جائے۔ جبکہ آیت اور حدیث کے اطلاق کو ضرورت کے ساتھ مقید کرنے کی دلیل یہ ہے کہ مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عورتوں کو کھلے چہرے کے ساتھ باہر نکلنے سے منع کیا جائے گا خاص طور پر جبکہ فاسق لوگوں کی کثرت ہو جائے' جیسا کہ ابن ارسلان نے کہا ہے۔''

۲) شیخ خلیل احمد سہارنپوری آیت ''اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا'' اور ''حدیث اسماء'' کی تشریح

میں لکھتے ہیں:

والمراد ان المرأة اذا بلغت لا یجوز لها ان تظهر للأجانب الا ما تحتاج الی اظهار للحاجة الی معاملة او شهادة الا الوجه والکفین وهذا عند أمن الفتنة واما عند الخوف من الفتنة فلا ویدل علی تقییده بالحاجة اتفاق المسلمین علی منع النساء ان یخرجن سافرات الوجوه لا سیما عند کثرة الفساد وظهوره(۲۱۳)

''حدیث سے مراد یہ ہے کہ جب عورت جوان ہو جائے تو اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اجنبی مردوں کے سامنے اپنے چہرے اور دونوں ہاتھوں کے علاوہ جسم کے کسی حصے کو سوائے کسی معاملے میں ضرورت پڑنے یا گواہی دینے کے ظاہر کرے۔ اور یہ حکم اس وقت ہے جبکہ فتنے کا اندیشہ نہ ہو جہاں فتنے کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہو وہاں یہ اجازت نہیں ہے۔ اور اس حدیث کو ضرورت کے ساتھ مقید کرنے کی دلیل یہ ہے کہ مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عورتوں کو کھلے چہرے کے ساتھ باہر نکلنے سے منع کیا جائے گا خاص طور پر جبکہ فتنہ و فساد بڑھ گیا ہو''۔

۳) امام شوکانی ''حدیث اسماء'' کی تشریح میں ابن ارسلان کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اما عند خوف الفتنة فظاهر اطلاق الآیة والحدیث عدم اشتراط الحاجة ویدل علی تقییده بالحاجة اتفاق المسلمین علی منع النساء ان یخرجن سافرات الوجوه لا سیما عند کثرة الفساق

''جہاں تک فتنے کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہے تو آیت اور حدیث کے ظاہر سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ دونوں مطلق ہیں اور ان کو ضرورت کی شرط کے ساتھ مقید نہ کیا جائے۔ جبکہ آیت اور حدیث کو ضرورت کے ساتھ مقید کرنے کی دلیل یہ ہے کہ مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عورتوں کو کھلے چہرے کے ساتھ باہر نکلنے سے منع کیا جائے گا خاص طور پر جبکہ فاسق لوگوں کی کثرت ہو جائے''۔

۴) ابن حجر عسقلانی شرح بخاری میں ابن المنذر کے حوالے سے نقل کرتے ہیں:

اجمعوا علی ان المرأة تلبس المخیط کله' والخفاف ' وان لها ان تغطی رأسها' وتستر شعرها الاوجهها فتسدل علیه الثوب سدلا

خفیفا تستتر به عن نظر الرجال (۲۱۴)

''اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ عورت (حالت احرام میں) تمام کپڑے سلے ہوئے پہنے گی اور موزے بھی پہنے گی اور اپنے سر کو ڈھانپے گی اور بالوں کو چھپائے گی سوائے چہرے کے' چہرے پر ہلکا سا کپڑا لٹکا لے گی تا کہ مردوں کی نظروں سے اس کے ذریعے بچ سکے۔''

۵) ابن قدامہ حنبلی حالت احرام میں عورت کے پردے کے بارے میں لکھتے ہیں:

فاما اذا احتاجت الی ستر وجهها لمرور الرجال قریبا منها فانها تسدل الثوب من فوق رأسها علی وجهها ولا نعلم فیه خلافا (۲۱۵)

''پس جب عورت مردوں کے قریب سے گزرنے کی وجہ سے اپنے چہرے کو چھپانے کی ضرورت محسوس کرے گی تو اپنے سر سے کپڑا اپنے چہرے پر لٹکا لے گی اور ہمارے علم کی حد تک اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے''۔

۶) ابن قدامہ المقدسی حالت احرام میں عورت کے پردے کے بارے میں لکھتے ہیں:

فان احتاجت الی ستر وجهها لمرور الرجال قریبا منها فانها تسدل الثوب فوق رأسها علی وجهها۔ روی ذلك عن عثمان وعائشة وبه قال عطاء ومالك والثوری والشافعی واسحاق و محمد بن الحسن ولا نعلم فیه خلافا (۲۱۶)

''اگر عورت مردوں کے قریب سے گزرنے کی وجہ سے اپنے چہرے کو چھپانے کی ضرورت محسوس کرے گی تو اپنا کپڑا سر سے اپنے چہرے پر لٹکا لے گی۔ یہ حضرت عثمان اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے اور عطاء' امام مالک' ثوری' امام شافعی' اسحاق اور امام محمد کا بھی یہی مذہب ہے اور ہمارے علم کی حد تک اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے''۔

پس ثابت ہوا کہ ضرورت کے تحت یا فتنے کی موجودگی میں عورت کے لیے اپنے چہرے کو چھپانا واجب ہے۔ اور اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔

تواترِ عملی اور چہرے کا پردہ

چہرے کا پردہ اللہ کے رسول ﷺ کے دور سے لے کر ہم تک (عصرِ حاضر تک) تواترِ عملی کے ساتھ بھی ثابت ہے۔ ہمارے زیرِ نظر مضمون میں جا بجا قرآن و حدیث' آثارِ صحابہ و

تابعین اور فقہاء و مفسرین کی آراء موجود ہیں کہ ہر دَور میں اُمت مسلمہ میں چہرے کا پردہ رائج رہا ہے۔ احادیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ چہرے کا پردہ رسول اللہ ﷺ کے دَور میں تھا۔ جبکہ آثار صحابہ و تابعین اس بات پر دلالت کر رہے ہیں کہ صحابہ و تابعین کے دور میں بھی عورتیں اپنا چہرہ چھپاتی تھیں۔ گویا خیر القرون میں چہرے کا پردہ دلائل کے ساتھ ثابت ہو چکا ہے۔ علاوہ ازیں ہم نے تقریباً ہر صدی کے حوالے سے بعض مفسرین اور فقہاء کے اقوال نقل کیے ہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اُن کے دَور میں بھی چہرے کا پردہ رائج تھا۔ اگر اس کے باوجود کوئی شخص اس بات پر مصر ہو کہ چہرے کا پردہ تواترِ عملی سے ثابت نہیں ہے تو اس کے لیے ہم چند جلیل القدر ائمہ کی آراء نقل کر دیتے ہیں کہ جنہوں نے صریحاً یہ لکھا ہے کہ چہرے کا پردہ تواترِ عملی سے ثابت ہے۔

۱) **امام غزالی کی رائے** : امام غزالی عورتوں کے مَردوں کی طرف دیکھنے کے جواز کے قائل ہیں۔ اس کی دلیل دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

لسنا نقول ان وجه الرجل فی حقها عورة کوجه المرأة فی حقه بل هو کوجه الامرد فی حق الرجل فیحرم النظر عند خوف الفتنة فقط وان لم تکن فتنة فلا ' اذ لم تزل الرجال علی ممر الزمان مکشوفی الوجوه والنساء یخرجن منتقبات فلو استووا لامر الرجال بالتنقب او منعن من الخروج(۲۱۷)

''ہم یہ نہیں کہتے کہ مرد کا چہرہ عورت کے لیے ستر ہے جیسا کہ عورت کا چہرہ مرد کے لیے ستر ہے' بلکہ مرد کا چہرہ (عورت کے لیے) ایسا ہی ہے جیسا کہ نابالغ بچے کا چہرہ مرد کے لیے ہے۔ یعنی اگر فتنے کا اندیشہ ہوگا تو اس کی طرف دیکھنا حرام ہوگا اور اگر فتنہ نہ ہو تو پھر دیکھنا جائز ہے۔ کیونکہ ہمیشہ سے یہ بات چلی آ رہی ہے کہ مرد ہر زمانے میں کھلے چہرے کے ساتھ باہر نکلتے ہیں' جبکہ عورتیں نقاب پہن کر باہر نکلتی ہیں۔ اگر مرد بھی اس مسئلے میں عورتوں کے برابر ہوتے تو ان کو نقاب پہننے کا حکم دیا جاتا یا عورتوں کو باہر نکلنے سے منع کر دیا جاتا''۔

۲) **ابن حجر عسقلانی کی رائے** : ابن حجر عسقلانی بھی عورتوں کے مردوں کی طرف دیکھنے کے جواز کے قائل ہیں۔ جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ اس کی دلیل ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ویقوی الجواز استمرار العمل علی جواز خروج النساء الی المساجد والاسواق والاسفار منتقبات لئلا یراهن الرجال ولم یؤمر الرجال قط بالانتقاب لئلا یراهم النساء فدل علی تغایر الحکم بین الطائفتین(۲۱۸)

''اور عورت کے مرد کی طرف دیکھنے کے جواز کو اس دلیل سے بھی تقویت ملتی ہے کہ شروع سے یہ عمل چلا آ رہا ہے کہ عورتوں کے لیے مساجد' بازار اور سفر کی حالت میں نقاب پہن کر باہر نکلنے کا جواز ہے' جبکہ مردوں کو کبھی بھی نقاب کا حکم نہیں دیا گیا کہ عورتیں انہیں نہ دیکھ سکیں۔ پس یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مرد اور عورتوں کا حکم اس مسئلے میں مختلف ہے''۔

۳) **امام شوکانی کی رائے** :امام شوکانی عورت کے مرد کی طرف دیکھنے کے مسئلے کے تحت ابن حجر کے حوالے سے لکھتے ہیں:

قال ویؤید الجواز استمرار العمل علی جواز خروج النساء الی المساجد والاسواق والاسفار منتقبات لئلا یراهن الرجال ولم یؤمر الرجال قط بالانتقاب لئلا یراهم النساء فدل علی مغایرة الحکم بین الطائفتین وبهذا احتج الغزالی(۲۱۹)

''ابن حجر نے کہا ہے کہ عورت کا مرد کی طرف دیکھنا جائز ہے اور اس مسئلہ کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ تواتر عملی سے یہ ثابت ہے کہ عورتوں کے لیے مساجد' بازار اور سفر کی حالت میں نقاب پہن کر باہر نکلنے کا جواز ہے' تاکہ مرد اُن کو نہ دیکھ سکیں' جبکہ مردوں کو کبھی بھی نقاب پہننے کا حکم نہیں دیا گیا کہ عورتیں ان کو نہ دیکھ سکیں۔ پس یہ تواترِ عملی اس بات کی دلیل ہے کہ دونوں گروہوں کا حکم مختلف ہے۔ اسی سے امام غزالی نے بھی دلیل پکڑی ہے۔''

پس تواتر عملی سے یہ ثابت ہوا کہ ہر دَور میں مسلمان عورتیں نقاب پہن کر گھر سے باہر نکلتی تھیں' جیسا کہ آج کل کے دَور میں بھی مذہبی گھرانوں سے تعلق رکھنے والی عورتیں اس کا اہتمام کرتی ہیں۔ اس کے برعکس جو لوگ اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ آج کل کے زمانے میں چونکہ اکثر عورتیں چہرے کا پردہ نہیں کرتیں لہٰذا تواتر عملی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ چہرے کا پردہ نہیں ہے' ان کی خدمت میں ہماری مؤدبانہ گزارش یہی ہے کہ تواتر عملی کے صرف دعووں سے تواتر عملی ثابت نہیں ہوتا' سب سے پہلے وہ کسی نص صریح سے صرف اتنا تو ثابت کر دیں

کہ اللہ کے رسول ﷺ کے دور میں عورتیں چہرے کا پردہ نہیں کرتی تھیں۔ جب ایک عمل کی ابتدا ہی ثابت نہ ہو تو انتہا کو دیکھتے ہوئے کیسے یہ حکم لگایا جا سکتا ہے کہ چہرے کا پردہ نہ کرنا تواتر عملی سے ثابت ہے؟ رہیں وہ احادیث جن سے احتمال پیدا ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے زمانے میں عورتیں چہرے کا پردہ نہیں کرتی تھیں' تو ان پر ہم مفصل گفتگو کر چکے ہیں۔ اور آج کل کے بگڑے ہوئے اور بے عمل معاشروں سے تواتر عملی کی دلیل پکڑنا اس وقت تک صحیح نہیں ہے جب تک کہ رسول اللہ ﷺ سے لے کر آج کے دور تک ہر زمانے میں عملاً کسی مسئلے کو ثابت نہ کر دیا جائے۔

خلاصۂ کلام

چہرے کے پردے کے حوالے سے ہم نے پانچ قسم کے دلائل کا تذکرہ کیا ہے۔ دلائل کی پہلی قسم قرآنی دلائل پر مشتمل ہے جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ قرآن کے چار مقامات ایسے ہیں کہ جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان عورتوں کے لیے چہرے کا پردہ واجب ہے۔ دو مقامات سورۃ النور میں ہیں اور دو مقامات سورۃ الاحزاب میں ہیں۔ دوسری قسم کے دلائل میں اُن احادیثِ مبارکہ کو بیان کیا گیا ہے جو کہ دراصل مذکورہ بالا قرآنی آیات کے مفہوم کو متعین کر رہی ہیں۔ احادیث کے عنوان کے تحت ہم نے بیس ایسی احادیث کو بیان کیا ہے جو کہ قرآنی آیات کی تفسیر وتشریح کے علاوہ اللہ کے رسول ﷺ کے زمانے میں حجاب کے بارے میں صحابیات کے طرزِ عمل کی نشان دہی کر رہی ہیں کہ ان آیات سے انہوں نے کیا سمجھا تھا۔ علاوہ ازیں ہم نے اسی بحث کے تحت ان اشکالات کا بھی جامع و مانع جواب دیا ہے جو بعض احادیث کے حوالے سے منکرین حجاب نے پیدا کیے ہیں۔

تیسری قسم کے دلائل میں اقوالِ صحابہؓ وتابعین کے ذریعے یہ واضح کیا گیا ہے کہ صحابہؓ اور تابعین نے پردے کے بارے میں قرآنی آیات کا کیا مفہوم سمجھا ہے۔

چوتھی قسم کے دلائل میں ہم نے مذاہب اربعہ کی روشنی میں چہرے کے پردے کو بیان کیا ہے جس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ بعض فقہاء کے نزدیک چہرے کا پردہ شرعاً واجب ہے اور بعض کے نزدیک سدًّا للذریعۃ واجب ہے۔ آخری اور پانچویں قسم کے دلائل میں ہم نے یہ بیان کیا ہے کہ چہرے کا پردہ تواتر عملی سے بھی ثابت ہے۔

ان پانچ قسم کے دلائل کی روشنی میں ہم نے مثبت انداز میں اپنا ایک موقف بیان کر دیا

ہے۔ ہمارا مضمون یہاں پر ختم ہو رہا ہے۔ اب ہم اگلی قسط میں ان اعتراضات اور اشکالات کا شرعی دلائل کی روشنی میں جائزہ لیں گے جو کہ ہمیں اس مضمون کی اشاعت کے دوران موصول ہوئے۔

حواشی

۱۸۷) احکام النساء' امام احمد بن حنبل' ص ٦۔
۱۸۸) احکام النساء' امام احمد بن حنبل' ص ٥۔
۱۸۹) مجموع الفتاویٰ' شیخ الاسلام ابن تیمیہ' جلد۲۲' ص ۱۰۹'۱۱۰۔
۱۹۰) زاد المسیر' علامہ ابن جوزی' جلد٦' ص ۳۱'۳۲' المکتب الاسلامی دولة نظر۔
۱۹۱) کشاف القناع' امام منصور بن یونس البھوتی' جلد۱' ص ۳۰۹' مطبعة الحکومة' مکہ۔
۱۹۲) فتاویٰ ابن تیمیہ' علامہ ابن تیمیہ' جلد۱٥' ص ٤٤٨۔
۱۹۳) فتاویٰ ابن تیمیہ' علامہ ابن تیمیہ' جلد۱٥' ص ۳۷۱'۳۷۲۔
۱۹٤) فتاویٰ ابن تیمیہ' علامہ ابن تیمیہ' جلد۲۲' ص ۱۱۰'۱۱۱۔
۱۹٥) الملخص الفقھی' الشیخ صالح بن فوزان' جلد۱' ص ٤۲'٤۳۔
۱۹٦) الروض المربع' منصور بن ادریس البھوتی' جلد۱' ص ٦٥۔
۱۹۷) المبدع' ابن مفلح حنبلی' جلد۱' ص ۳٦۲'۳٦۳' المکتب الاسلامی۔
۱۹۸) فتاویٰ ابن تیمیہ' علامہ ابن تیمیہ' جلد۲۲' ص ۱۱٥۔
۱۹۹) دلیل الطالب لنیل المطالب' الشیخ مرعی بن یوسف المقدسی الحنبلی' ص ۸۔
۲۰۰) منار السبیل فی شرح الدلیل' ابن ضویان حنبلی' جلد۱' ص ٤۸۔
۲۰۱) الشرح الممتع علی زاد المتقنع الدکتور سلیمان بن عبداللہ ابالخیل والدکتور خالد بن علی المشیقع' جلد۲' ص ۷٦۔
۲۰۲) کفایة الاخیار فی حل غایة الاختصار' امام تقی الدین الحسنی' جلد۱' ص ۱۸۱' ادارة احیاء التراث الاسلامی' دولة قطر۔
۲۰۳) کتاب الام' امام شافعی' جلد۲' ص ۱۲۷' دار الشعب۔
۲۰٤) حاشیة الشروانی علی تحفة المحتاج' الشیخ عبدالحمید الشروانی' جلد۳' ص ۱۱٥۔
۲۰٥) حاشیة ابن قاسم العبادی علی تحفة المحتاج' الشیخ احمد بن قاسم العبادی' جلد۳' ص ۱۱٥۔
۲۰٦) علامہ عبدالرحمن محمود مضای العلونی' النفحات الصمدیة علی مذھب الامام الشافعی' جلد۱' ص ۹۷' مطبعة المدنی' مصر۔
۲۰۷) فتح الباری شرح صحیح بخاری' کتاب النکاح' باب لبن الفحل۔
۲۰۸) فتح الباری شرح صحیح بخاری' کتاب تفسیر القرآن' باب ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن۔

(باقی صفحہ 63 پر)

تعارف وتبصرہ کتب

تبصرہ نگار: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

(۱)

نام کتاب : والدین کے حقوق وفرائض

مصنف : مفتی حافظ محمد حسام اللہ شریفی

ضخامت : 144 صفحات ۔ قیمت: الوقف للہ

ملنے کا پتہ: مرکزی انجمن سہروردیہ F-137 سنٹرل ایونیو SITE کراچی

کتاب کے مصنف مفتی حافظ محمد حسام اللہ شریفی معروف عالم دین ہیں۔ وہ ملک کی وفاقی شرعی عدالت کے مشیر اور رابطہ عالم اسلامی کے رکن ہیں۔ ''کتاب وسنت کی روشنی میں'' ان کا کالم ہفت روزہ ''اخبار جہاں'' کی زینت ہوتا ہے۔ ان کا یہ کالم مستند اسلامی تعلیمات پر مشتمل ہونے کی وجہ سے مردوں اور عورتوں میں یکساں مقبول ہے۔ وہ اسلامی تعلیمات پر مبنی کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔

''والدین کے حقوق وفرائض'' ان کی قابل قدر کتاب ہے۔ ہر شخص کی خواہش ہوتی ہے کہ اُس کے بچے خوش خصال اور پسندیدہ اطوار کے مالک ہوں' معاشرے میں عزت ووقار کی زندگی بسر کریں اور ملک وملت کے لیے مفید ثابت ہوں۔ ان مقاصد کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ والدین اپنے فرائض سے آگاہ ہوں۔ مگر ہوتا یہ ہے کہ والدین نہ تو اپنے فرائض سے کما حقہٗ واقف ہوتے ہیں اور نہ اُن کی ادائیگی میں کما ینبغی سعی وجہد کرتے ہیں۔ پھر جب اولاد اُن کے معیار پر پوری نہیں اترتی تو شکوہ کرتے ہیں۔

اس کتاب میں فاضل مصنف نے نہایت مؤثر انداز میں والدین کے حقوق وفرائض واضح کیے ہیں۔ والدین کو اس بات سے آگاہ کیا ہے کہ وہ اپنی اولاد کے کن کن حقوق کی رعایت رکھیں اور کس طرح انہیں حکمت ودانائی کے ساتھ اچھے اخلاق کی تعلیم دیں۔ ماں کی گود بچے کی پہلی تربیت گاہ ہوتی ہے۔ چنانچہ تربیت اولاد کے سلسلہ میں ماں کو اس کی اہم اور نازک ذمہ داریوں سے آگاہ کیا گیا ہے۔ پھر بچوں کو اپنے والدین کے ادب واحترام اور

اطاعت وفرمانبرداری کی تعلیم نہایت ہی سلیقے کے ساتھ دی گئی ہے۔ کتاب کو قرآنی آیات' احادیثِ رسولؐ' عربی اشعار اور داناؤں کے اقوال سے مزین کیا گیا ہے۔ کتاب حسن حقیقی کے علاوہ حسن ظاہری سے بھی آراستہ ہے۔ کتاب کا ٹائٹل دیدہ زیب' کاغذ عمدہ سفید اور کمپوزنگ اعلیٰ درجے کی ہے۔ والدین کے لیے یہ بہت بڑا تحفہ ہے۔ اس کتاب کے پڑھنے سے والدین کو کئی بھولے ہوئے سبق یاد آ جائیں گے جس سے وہ اپنے بچوں کی تربیت بہتر انداز سے کرسکیں گے۔ جب اولاد کی تربیت صحیح خطوط پر ہوگی تو وہ خود بخود والدین کے حقوق سے آگاہ ہو کر ماں باپ کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک بنے گی۔ مفتی صاحب کی یہ کوشش قدر کی نگاہ سے دیکھی جائے گی۔

(۲)

نام کتاب : میاں بیوی کے حقوق وفرائض

مصنف : مفتی حافظ محمد حسام اللہ شریفی

ضخامت : 148 صفحات ۔ قیمت: الوقف للہ

ملنے کا پتہ: مرکزی انجمن سہروردیہ F-137 سنٹرل ایونیو SITE کراچی

''میاں بیوی کے حقوق وفرائض'' مفتی حافظ محمد حسام اللہ شریفی کی بیش قیمت کتاب ہے جو اپنے موضوع کے ہر پہلو پر جامع معلومات فراہم کرتی ہے۔ میاں بیوی کو اپنے حقوق و فرائض سے واقف ہونا انتہائی ضروری ہے۔ ناروا شرم وحیا کی وجہ سے فریقین اپنے فرائض سے بے خبر رہ جاتے ہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ معمولی معمولی باتوں کی بنیاد پر نوبت طلاق تک جا پہنچتی ہے اور بہت سے گھر بے اتفاقی' عدم موافقت' جہالت اور لاعلمی کی وجہ سے مختلف قسم کی پریشانیوں اور جھگڑوں کا شکار ہو جاتے ہیں' جس کے بڑے بھیانک نتائج نکلتے ہیں۔ میاں بیوی کی زندگی تلخ ہو جاتی ہے' اولاد طرح طرح کے ذہنی انتشار کا شکار ہو کر بے راہ ہو جاتی ہے۔

مصنف نے اس کتاب کے ذریعے بہت سی ایسی چیزیں بتائی ہیں جو مردوں اور عورتوں کی بھاری اکثریت کے علم میں نہیں۔ مرد کی قوامیت اور عورت کی باوقار حیثیت کو بڑے ہی متوازن اور مؤثر انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ تمام باتیں قرآن وسنت کی روشنی میں واضح کی گئی ہیں۔

تمام نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو شادی سے پہلے یا شادی کے بعد اس کا مطالعہ کرنا انتہائی سودمند رہے گا اور انہیں اپنے اپنے فرائض اور دائرہ کار سے واقفیت ہو جائے گی۔ اس طرح ان کی زندگی کئی طرح کی الجھنوں سے محفوظ ہو جائے گی۔ اگر والدین شادی کے موقع پر یہ کتاب اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کو تحفہ کے طور پر دیں تو بہت مفید رہے گی۔ یہ کتاب ہر مسلمان خاندان کے جوان لڑکوں اور بہو بیٹیوں کے پڑھنے کی چیز ہے۔

(۳)

نام کتاب : آئینہ انوار مصنف: مسرور کیفی

ضخامت : 79 صفحات ۔ قیمت:40روپے

ملنے کا پتہ: جہان نعت، شارع مسجد حدیبیہ، گلشن حدید فیز2، بن قاسم ٹاؤن، ضلع ملیر کراچی

مسرور کیفی قادر الکلام شاعر تھے۔ شاعری میں انہوں نے صنف نعت گوئی کو اپنایا۔ اُن کے اشعار عشقِ رسولؐ کا مظہر اور نعتیں عقیدت اور محبت کا نمونہ ہیں۔ سادگی اور برجستگی اُن کے کلام کی امتیازی صفات ہیں۔ مسرور کیفی گوشہ نشین قسم کے آدمی تھے۔ نمود و نمائش سے انہیں کوئی سروکار نہ تھا۔ قناعت پسند اور خوددار تھے۔ مشاعروں میں شرکت اُن کے مزاج کے خلاف تھی۔ عاجزی اور انکساری اُن کی امتیازی صفات تھیں۔ مسرور کیفی کے بیس سے زیادہ نعتیہ مجموعے مختلف ناموں سے شائع ہو چکے ہیں، انہی میں سے ایک آئینہ انوار ہے۔

آئینہ انوار کے آغاز میں حمد باری تعالیٰ ہے۔ پھر ستر (۷۰) سے زیادہ نعتیں ہیں۔ ہر نعت تقریباً سات اشعار پر مشتمل ہے۔ مسرور کیفی کی ہر نعت عشق محبت کے پھولوں کا حسین مجموعہ ہے جسے انتہائی سلیقے کے ساتھ سجایا گیا ہے۔

(۴)

نام کتاب : محبوبِ خداﷺ کی دلربا ادائیں

مصنف : مولانا عبدالقیوم حقانی

ضخامت : 197 صفحات ۔ قیمت: درج نہیں

ملنے کا پتہ: القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ، خالق آباد، ضلع نوشہرہ، سرحد

فاضل مصنف نے ۱۶۰۸ صفحات پر مشتمل بڑے سائز کی تین جلدوں میں شمائل ترمذی

کی شرح لکھی ہے اور اب وہ اس ضخیم کتاب کو چھوٹے چھوٹے اجزاء کی شکل میں شائع کر رہے ہیں تا کہ اس سے زیادہ سے زیادہ لوگ فائدہ اٹھائیں۔

''محبوبِ خدا ﷺ کی دلربا ادائیں'' نامی کتاب بھی شرح شمائل ترمذی کا ایک جزو ہے' جس کو مختلف عنوانات کے تحت سات ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ چند ایک عنوانات یہ ہیں: رسول اللہ ﷺ کا خوشبو کا استعمال' آپؐ کا اندازِ گفتگو' آپؐ کا تبسم' آپؐ کی خوش طبعی اور لطائف وظرائف۔ یہ کتاب شمائل ترمذی کی 36 احادیث کی عالمانہ تشریح ہے جس کے لفظ لفظ سے محبتِ رسولؐ ٹپکتی ہے۔ مصنف نے ہر حدیث کے الفاظ کے معانی بیان کرتے ہوئے تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے اور پھر حدیث میں بیان کردہ ہر بات کو بڑے احسن انداز میں واضح کیا ہے۔ یہ کتاب دینی مدارس کے طلبہ اور اساتذہ کے لیے خاص طور پر مفید ہے۔ عوام الناس بھی پڑھیں گے تو محبوبِ خدا ﷺ کے اعلیٰ اوصاف کا مطالعہ اُن کے کردار وعمل میں حسن وجمال پیدا کرے گا۔ کتاب کا ٹائٹل خوبصورت اور جلد مضبوط ہے۔

(۵)

نام کتاب : امام شاہ ولی اللہؒ اور اُن کے افکار ونظریات

مؤلف : مولانا عطاء الرحمٰن قاسمی

ضخامت : 478 صفحات ۔ قیمت: 250 روپے

ملنے کا پتہ: شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ N-80/C ابوالفضل انکلیو' اوکھلا' نئی دہلی

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ عبقری شخصیت کے مالک تھے۔ وہ ایک دینی اور علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ہندوستان کی تاریخ میں مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کے بعد شاہ ولی اللہ مسلمانوں کے ہر مکتبہ فکر اور مسلک کے مابین یکساں قدر ومنزلت کے حامل تھے۔ اُن کی متوازن اور معتدل فکر نے ہر طبقے کے لوگوں کو متاثر کیا۔ قرآن کی تعلیمات کو عام کرنے میں اُن کی لائق تحسین خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ شاہ ولی اللہؒ سب سے پہلے عالمِ دین ہیں جنہوں نے عوام کالانعام اور علمائے سوء کی شدید ترین مخالفت کے باوجود قرآن مجید کا رائج الوقت زبان (فارسی) میں ترجمہ کیا۔ اس طرح انہوں نے عوام کا رُخ قرآن خوانی سے قرآن فہمی کی طرف موڑا۔ بعدہٗ اس کام کو اُن کے فرزندان ارجمند نے آگے بڑھاتے

ہوئے اردو میں لفظی اور بامحاورہ تراجم کیے۔ عربی' فارسی اور اردو میں آپ کی درجنوں وقیع تصنیفات ہیں جن میں حجۃ اللہ البالغۃ' ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفاء' فیوض الحرمین اور الفوز الکبیر اپنی مثال آپ ہیں۔

شاہ صاحبؒ کی متوازن ومعتدل فکر کو عام کرنا وقت کی ضرورت ہے۔ اس سلسلہ میں متعدد ادارے کام کر رہے ہیں۔ انہی میں ایک قابل ذکر ادارہ شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ دہلی ہے جو فکر ولی اللّٰہی کی اشاعت میں سرگرم عمل ہے۔ مارچ ۲۰۰۳ء میں اس ادارے کے زیر انتظام شاہ ولی اللہ کی شخصیت پر ایک سیمینار منعقد کیا گیا جس میں ہندوستان کے تمام مکاتب ومسالک کے معروف علماء نے شرکت کی' مقالات پڑھے اور شاہ صاحب کی خدمات کی تحسین کی۔ اس سیمینار میں پڑھے جانے والے مقالات کو زیر تبصرہ کتاب میں یکجا کر کے شائع کرنے کا اعزاز مولانا عطاء الرحمٰن قاسمی چیئرمین شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ کو ملا' جنہوں نے اس کام کو نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ بیش قیمت مقالات کے اس مجموعے سے نہ صرف عوام الناس بلکہ علمائے کرام بھی فائدہ اٹھائیں گے۔ مولانا عطاء الرحمٰن قاسمی کا یہ ایک تاریخی کارنامہ ہے۔

کتاب کی کمپوزنگ میں کچھ اغلاط نمایاں ہیں جن کی اگلے ایڈیشن میں اصلاح ضروری ہے۔

بقیہ حواشی: چہرے کا پردہ

۲۰۹) احیاء العلوم' امام غزالی' جلد۲' ص ۴۹' مطبع عیسی البابی۔

۲۱۰) نہایۃ الزین شرح قرۃ العین' امام محمد نووی بن عمر التناری' جلد۱' ص ۸۰۔

۲۱۱) تحفۃ الحبیب علی شرح الخطیب' الشیخ سلیمان البجیرمی' جلد۱' ص ۳۸۸۔

۲۱۲) عون المعبود' شمس الحق عظیم آبادی' جلد۱۱' ص ۱۰۹' دارالکتب العلمیۃ' بیروت۔

۲۱۳) بذل المجھود' شیخ خلیل احمد سھارنپوری' جلد۱۶' ص ۴۳۱' دارالکتب العلمیۃ' بیروت۔

۲۱۴) فتح الباری' ابن حجر' جلد۳' ص ۴۰۶۔

۲۱۵) المغنی' ابن قدامہ' جلد۳' ص ۳۰۵۔

۲۱۶) الشرح الکبیر' ابن قدامہ المقدسی' جلد۳' ص ۳۲۳' ۳۲۴۔

۲۱۷) احیاء العلوم' امام غزالی' کتاب النکاح' فصل سوم "آداب المعاشرت"۔

۲۱۸) فتح الباری' ابن حجر عسقلانی' جلد۹' ص ۳۳۷۔

۲۱۹) نیل الاوطار' امام شوکانی' جلد۶' ص ۲۴۹۔

بقیہ: حرفِ اوّل

اس تناظر میں حدود آرڈیننس کے بارے میں حکومتی حلقوں اور پرنٹ و الیکٹرانک میڈیا میں پایا جانے والا حالیہ مناقشہ محلِ نظر ہے۔ اشکال یہ پیش کیا جا رہا ہے کہ آیا حدود اللہ اور حدود آرڈیننس ایک ہی شئے ہیں؟ یہ بھی دریافت کیا جا رہا ہے کہ کیا حدود آرڈیننس مکمل اسلامی ہیں؟ ہمارے خیال میں اگر حدود آرڈیننس کو مؤثر بنانا مقصود ہو اور اس میں پائی جانے والی خامیوں کو رفع کرنا پیش نظر ہو تو یہ سوالات نہ صرف غیر موزوں ہیں بلکہ گمراہ کن بھی ہیں۔ اس لیے کہ حدود اللہ اور حدود آرڈیننس میں فرق اور مشابہت کے حوالے سے کسی شخص کو کسی قسم کا کوئی اشکال درپیش نہیں ہے۔ لہٰذا اس قسم کے اشکالات کے بجائے سیدھے سادے انداز میں اس آرڈیننس کو بہتر بنانے کے لیے تجاویز مانگی جانی چاہئیں۔ اور اگر نیت یہ ہو' جیسا کہ صاف محسوس ہو رہا ہے' کہ ان اشکالات کی آڑ میں دستور میں پائے جانے والے 'علامتی اسلام' کو بھی دیس نکالا دے دیا جائے اور عریاں قسم کے سیکولرزم کے راستے کو ہموار کیا جائے تو یہ مناقشہ اصل میں دھوکے اور فریب کے سوا کچھ نہیں۔ ہمارے اس گمان کو اس بات سے تقویت ملتی ہے کہ متذکرہ بالا اشکالات کے ساتھ ساتھ اس راگنی میں یہ تان بھی الاپی جا رہی ہے کہ ''حدود آرڈیننس انسانی حقوق کے منافی ہیں''۔ گویا کہنا یہ مقصود ہے کہ ''حقوقِ انسانی کے منافی اس غیر اسلامی آرڈیننس کو بیک بینی و دو گوش راہیٔ ملکِ عدم کر دیا جائے''۔

ہم بطور یاددہانی صرف یہ عرض کیے دیتے ہیں کہ اسلام کے نام پر حاصل کیے گئے اس ملک میں شعائرِ دین کے حوالے سے ہم جتنا ریورس گیئر لگائیں گے اتنا ہی اس ملک کے وجود کو داخلی اور خارجی خطرات سے دوچار کر دیں گے۔ بدقسمتی سے مغربی افکار و نظریات کے دلدادہ دانشور تو پہلے ہی ایڑی چوٹی کا زور لگا کر اس انجامِ بد کے لیے راہ ہموار کر رہے تھے' اب بعض ماہر دینیات دانشوروں نے بھی اس ''کارِ خیر'' میں حصہ ڈال کر بربادی کی جانب سفر کو زیادہ تیزی کے ساتھ طے کرنے کے اسباب فراہم کر دیے ہیں۔ اور اس کے لیے سرِ عام قرآن و سنت کی وہ وہ تاویلات کی جا رہی ہیں کہ جن سے سلف و خلف میں سے کسی کا متفق نہ ہونا ہی ان کا اصل طرۂ امتیاز ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ پھر ابوالفضل اور فیضی کی زیرِ نگرانی شہنشاہِ اکبر کے 'دینِ الٰہی' کی تشکیلِ جدید اور تنفیذ کی تاریخ رقم کی جا رہی ہے۔

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں ہوئے کس درجہ 'فقیہانِ حرم' بے توفیق

ہم ایسے تمام عناصر سے دست بستہ اور پورے خلوص و اخلاص کے ساتھ عرض کرتے ہیں کہ وہ سرکاری درباری علماء کی گدی نشینی کے بجائے سلف صالحین کی راہ اختیار کریں' جنہوں نے عارضی اور وقتی عوامل کی بنیاد پر امراء و سلاطین کا دست و بازو بن کر بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے کے بجائے ''اَلْحَافِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰہِ'' کا کردار ادا کرنا پسند کیا اور ہمیشہ کلمۂ حق ہی کو بلند کیا' چاہے اس راہ میں انہیں ہر طرح کے مصائب ہی کیوں نہ جھیلنے پڑے۔ oo

حکمت کی بات بندۂ مومن کی گمشدہ میراث ہے جہاں سے بھی ملے وہ اس کا حقدار ہے (الحدیث)

شائقین علوم قرآن کے لیے خوشخبری

انجمن خدام القرآن (رجسٹرڈ) جھنگ

الحمدللہ اپنے قیام کے دن سے ہی اپنے مقاصد کے حصول کے لیے کوشاں ہے

قرآن اکیڈمی کی تعمیر اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے

قرآن اکیڈمی جھنگ میں 2006ء کے دوران

تین 25 روزہ فہم قرآن وسنت کورسز (کل وقتی)

ہوں گے۔ ان شاء اللہ

نواں	=	4 جون تا 28 جون 06ء
دسواں	=	یکم جولائی تا 25 جولائی 06ء
گیارہواں	=	یکم اگست تا 25 اگست 06ء

تفصیلات

☆ کم از کم ایف اے/ایف ایس سی حضرات شامل ہو سکتے ہیں۔
☆ کورس مکمل طور پر رہائشی اور کل وقتی ہوگا۔
☆ اخراجات قیام وطعام انجمن کے ذمہ ہوں گے۔
☆ کورس کے اختتام پر سند جاری کی جائے گی۔
☆ نصاب میں قرآن مجید کے تین پارے، احادیث کا منتخب حصہ، تاریخ اسلام، عربی گرامر اور منتخب کلام اقبال پڑھایا جائے گا۔

شرکت کی دعوت عام ہے

شرکت کرنے والے حضرات کورس شروع ہونے سے پانچ دن پہلے ذاتی یا تحریری رابطہ فرمائیں

الداعی: انجینئر مختار حسین فاروقی صدر انجمن خدام القرآن (رجسٹرڈ) جھنگ

☆ قرآن اکیڈمی لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر 0471-628561-628361
☆ پوسٹ بکس نمبر 40 جھنگ صدر